جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

دسمبر ۱۹۹۵

مدیر : خرم مراد

ادارہ ترجمان القرآن

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمتہ اللہ علیہ

کی شہرہ آفاق تفسیر

تفہیم القرآن

کے اسپیشل ڈی لکس اور متفرق جلدیں دستیاب ہیں

ڈی لکس سیٹ	ہدیہ -/۱۵۰۰ روپے
اسپیشل سیٹ	ہدیہ -/۱۲۰۰ روپے
جلد اول	ہدیہ -/۲۲۵ روپے
جلد ششم	ہدیہ -/۲۲۵ روپے

اشاریہ تفہیم القرآن

مرتبین : ڈاکٹر خالد علوی

ڈاکٹر جمیلہ شوکت

سائز $\frac{22 \times 29}{8}$ صفحات = ۴۸۱ ' خوبصورت جلد

ہدیہ ------ -/۱۵۰ روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ ' اردو بازار ' لاہور

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر خرم مراد

جلد ۱۲۳ | نومبر ۱۹۹۵ء رجب ۱۴۱۶ھ | عدد ۱۲

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰

فون ۵۴۰۱۴۳-۵۴۰۱۴۷

فیکس ۵۴۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۵- اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون ۷۵۸۵۹۱۶-۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ ۱۲/- روپے

زر سالانہ ۱۳۰/- روپے

مشرق وسطیٰ ۵۵۰/- روپے

بنگلہ دیش، نیپال ۳۵۰/- روپے

بھارت ۳۰۰ روپے

یورپ، مشرق بعید ۶۵۰/- روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۹۰۰ روپے

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

راہ و منزل

خرم مراد

ہم اس بات پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں وہ کم ہے کہ اس نے اپنے دین کی نصرت کے لیے، جماعت اسلامی پاکستان کو، اپنا عظیم الشان تین روزہ ملک گیر اجتماع عام انتہائی حسن و خوبی اور کامیابی کے ساتھ منعقد کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ ۸-۹-۱۰ نومبر ۱۹۹۵ کو مینار پاکستان کے تاریخی مقام پر یہ اجتماع اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

نصف صدی پیش تر جب راہ خدا میں سفر کے لیے یہ قافلہ ترتیب پایا تھا تو تاسیسی اجتماع ۷۵ نفوس پر مشتمل تھا۔ آج اس اجتماع میں شرکا کی تعداد لاکھوں میں تھی! اس پاکستان میں، جہاں انتشار و افتراق اور نفرت و خون ریزی کے اندھیروں کا راج ہے، اس اجتماع میں چترال سے لے کر تربت تک کے ہر مقام سے، ہر نسل کے، ہر رنگ کے، ہر زبان بولنے والے، اور ہر طبقے کے، یہ بے شمار لوگ اتحاد و محبت کے جذبوں سے معمور دلوں کے ساتھ یک جا ہوئے۔ ان میں کسان بھی تھے اور تاجر بھی، ان پڑھ بھی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی، غریب بھی اور دولت مند بھی۔ اور یہ سب زمین پر سوتے تھے، زمین پر بیٹھ کر کارروائی سنتے تھے۔

ان میں وہ ہزارہا ہزار عورتیں بھی شامل تھیں، جن کے بارے میں گھروں میں قید رکھے جانے اور بے اختیار ہونے کے افسانوں کا دنیا بھر میں بڑا چرچا کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ملک بھر کی عورتوں کا اتنا عظیم اجتماع، پاکستان میں کسی بھی مقصد کے لیے کبھی بھی نہیں ہوا ہے۔ یہ "عورت کی خودمختاری" کا نعرہ نہیں تھا، اللہ کی بندگی میں ہر غلامی سے آزادی کی کشش تھی جس نے ان ہزاروں عورتوں کو پاکستان کے ایک ایک کونے سے کھینچ کر دین کی خاطر مینار پاکستان پر جمع کر دیا، ان علاقوں سے بھی جہاں عورت کا مسجد جانا بھی خلاف دین سمجھا جاتا ہے۔

جو ایک جگہ بیٹھا نہ رہا بلکہ اجتماع گاہ میں چلا پھرا اس نے حیرت اور مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ دیکھا کہ آنے والوں کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ ان کے چہرے جذبات سے تمتما رہے تھے، ان کے دل وفور شوق سے چھلک رہے تھے، ان کی نگاہوں سے ان کے عزائم کی پختگی اور حوصلوں کی بلندی کی جھلک رہی تھی۔ یہی نوجوان ملت کا اصل خزانہ ہیں نہ کہ معدنیات اور دھات اور کارخانے۔ یہ دین کے کام سے لگ جائیں تو وہ دن دور نہیں جب ہم اسلام کا دامن پکڑ کے ترقی کے راستے پر بہت آگے جا نکلیں گے۔

ایک کام نوٹس کے لائق ہے، یہ بھی "جماعت اسلامی" کے امیر قاضی حسین احمد اور ان کی جماعت کا کمال ہے کہ انھوں نے دنیا کے پچاس ممالک کی تحریکوں کے رہنماؤں کو بیک وقت پاکستان کے سائے تلے لا بٹھایا۔ ان رہنماؤں میں کشمیر سے لے کر بعید ترین ممالک سے لے کر ملائشیا، انڈونیشیا تک کے زعما شامل تھے۔ اور صرف یہی نہیں، قاضی صاحب نے اندرون ملک سے مولانا شاہ احمد نورانی اور علامہ ساجد نقوی کو بھی ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے کر دیا تھا۔ یوں سب مکاتب فکر و فقہ کے رہنما بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس حوالے سے جماعت اسلامی کا سہ روزہ اجتماع واقعی یادگار اور تاریخی نوعیت رکھتا ہے، جس کے تنوع اور رنگارنگی کے بارے میں قاضی صاحب نے بڑے خوبصورت انداز میں کہا کہ یہ شاخوں کا مجموعہ ہے یہ گلستان، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گلشن کے پھول ہیں یا ان پھولوں کا گلدستہ" (روزنامہ نوائے وقت، ۱۵ نومبر ۱۹۹۵)۔

کسی اجتماع کی کامیابی کو ناپنے کا ایک اہم پیمانہ شرکائے اجتماع کا اپنا اطمینان اور خوشی ہے۔ اتنے بڑے اجتماع میں ہر شخص تو خوش نہیں ہو سکتا، یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ لوگوں کو شکایات نہ پیدا ہوں۔ لیکن، اجتماع کے دوران اور اجتماع کے بعد، جس بے ساختگی اور وارفتگی کے ساتھ شرکا نے اپنی خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا، جس یقین کے ساتھ اجتماع کو کامیاب قرار دیا، جن جذبوں، ولولوں، امنگوں اور عزائم کے ساتھ رخصت ہوئے، وہ بڑا حوصلہ افزا اور دل خوش کن ہے۔ جس طرح مایوسی ایک متعدی مرض ہے، اسی طرح اطمینان، خوشی اور اعتماد کی صحت بخش کیفیات بھی متعدی ہوتی ہیں۔ یہ کیفیات اس اجتماع کا ایک بیش بہا تحفہ ہیں، اور امید ہے کہ یہ پاکستان کے طول و عرض میں پھیل جائیں گی۔

کوئی انسان، کوئی انسانی جماعت، کوئی انسانی کام ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ خامیوں، خطاؤں اور غلطیوں سے پاک ہو۔ کئی خامیاں اور خطائیں ہماری نگاہ میں ہیں، بہت سی ایسی ہوں گی جن کا اندازہ اور علم ہم سے زیادہ دوسرے شرکا کو ہوگا۔ ان کا تدارک ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنے کام اور تعداد پر نازاں نہ ہوں، خود اپنی نگاہوں میں بڑے نہ بنیں، جو کام ہماری نگاہوں میں عظیم

نہ تصور میں- بلکہ ہم اپنے بڑے سے بڑے کاموں کے بھی نقائص پر نظر رکھیں ' عجب اور کبر سے دل کو اور رویوں کو پاک رکھیں ' اس لیے کہ یہ مہلک بیماریاں ہیں- ہماری دعا یہی ہو: اے رب ہمیں اپنی نگاہوں میں چھوٹا اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنا- اس کا نسخہ یہ ہے کہ ہم اس پر نظر رکھیں کہ اللہ کے ہم پر جو احسانات ہیں ' اس کے ہم پر جو حقوق ہیں ' اس سے تعلق اور اس کی راہ میں جہاد کا حق ادا کرنے کے جو تقاضے ہیں ' ان کے مقابلے میں ہماری کوششیں اتنی حقیر و بے مایہ ہیں کہ گویا ہم نے کچھ بھی نہیں کیا- یہ بات بھی بار بار ذہن میں تازہ کرنا ضروری ہے کہ ہم سے جو کچھ بن پڑا ' وہ بھی ہمارے کرنے سے نہیں ہوا' اللہ ہی نے کیا تو ہوا ' کہ فاعل حقیقی وہی ہے- لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

اسی لیے ہم کو ربانی بننا ہے تو جیسے قرآن نے تعلیم دی ہے ' بڑے سے بڑا کام کر کے بھی ہمارے دلوں اور زبانوں کی صدا یہی ہونا چاہیے:

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (آل عمران ۳:۱۴۷)

"اے ہمارے رب ' ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما ' ہمارے کام میں تیری حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اسے معاف کر دے ' ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر"

اتنا بڑا اجتماع ' اتنے وقت اور انسانی و مالی وسائل کا خرچ ' اتنی محنت ' یہ سب کیوں اور کس لیے ' اس سب سے کیا حاصل؟ یہ ایک اہم سوال ہے-

کسی بھی اجتماعی انسانی کاوش اور تنظیم کے لیے--- وہ تعلیمی ہو ' عسکری ہو ' تجارتی ہو ' سماجی ہو یا سیاسی--- اجتماع کلیدی حیثیت رکھتا ہے- اجتماع کے ذریعے ہی تنظیم میں ربط اور قوت پیدا ہوتی ہے ' ہم آہنگی اور یکسانیت حاصل ہوتی ہے ' اس کی اپنے مقصد کی طرف پیش رفت کا سامان ہوتا ہے- فرد کو فرد کے ساتھ اور افراد و قیادت کو باہم دگر جوڑنے میں بھی اجتماع اہم کردار ادا کرتا ہے- ضروری بس یہ ہے کہ اجتماع برائے اجتماع نہ ہو ' محض رسمی نہ ہو ' بامقصد ہو ' اپنے مقصد کو پورا کرے ' اور صحیح و موزوں انداز میں چلایا جائے-

انسان کی زندگی اور دل کو بھی اللہ تعالیٰ نے اجتماعیت کے ساتھ گوندھ کر پیدا کیا ہے- وہ دوسروں کو دیکھ کر ' ان کے شانہ بشانہ کھڑا ہو کر ' جذبہ پاتا ہے ' حوصلہ پاتا ہے ' ہمت پاتا ہے ' عزم پاتا ہے- اکیلا ہو تو مزاحمتوں کے سامنے سے بھاگنے کا سوچتا ہے ' دو ہوں تو دونوں کے قدم جم جاتے ہیں ' تین ہوں تو وہ آگے بڑھ کر حملہ کرنے کا سوچتے ہیں-

انھی فطری حقائق پر انتہائی اہم دینی احکام و ہدایات کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ رات کی نماز، تنہا نماز، خشوع، توجہ اور ذکر کے لیے یقیناً زیادہ موزوں ہو سکتی ہے۔ لیکن حضورؐ نے پانچ وقت مسجد میں حاضر ہو کے صف بندی کر کے نماز ادا کرنے کو لازم کیا اور اسے ۲۷ درجے افضل قرار دیا۔ رات بھر نماز پڑھنے کے بجائے فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کو ترجیح دی۔ عورتوں کے لیے نماز باجماعت کو لازم تو نہیں کیا مگر ان کی شرکت کے انتظامات کیے، اور ان کو مسجد آنے سے روکنے سے منع فرمایا۔ آپ کی مسجد میں عورتوں کی صف بھی ہوتی تھی، ان کا الگ دروازہ بھی تھا۔ نماز کے لیے ایک ہفت وار اجتماع، جمعہ کا اجتماع، جس میں کثیر تعداد میں لوگ جمع ہوں، اتنا اہم قرار پایا کہ خود قرآن نے حکم دیا کہ اس کی پکار سنتے ہی سارا کاروبار زندگی چھوڑ کے دوڑ پڑو۔ نماز میں دو رکعتیں کم کر دیں، امام کے خطبے کو نماز کی طرح مقام دے دیا۔

سال میں دو عیدوں کے لیے بڑے بڑے اجتماعات کے لیے بھی بڑی شدت کے ساتھ اہتمام کیا گیا۔ یہاں تک کہ عورتوں کو بھی خاص طور پر بلایا گیا اور شرکت کی تاکید کی گئی۔ ام عطیہؓ کی روایت کے مطابق: "وہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم سب عورتیں، حیض والی عورتیں ہوں یا پردے والی، سب دونوں عیدوں پر عیدگاہ میں حاضر ہوں۔ اگر کسی کے پاس چادر نہ ہو، تو ساتھ والی اپنی چادر اسے بھی اڑھا دے (لیکن آئے ضرور)"۔ "کس لیے؟" "تاکہ ہم مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہوں (اور اس کی تعداد اور شوکت میں اضافہ کریں) اور ان کی دعا میں شریک ہوں"۔ بس اتنا ہی مقصد عید کے عظیم اجتماع اور اس میں عورتوں کی شرکت کے اہتمام کے لیے بہت کافی ہوا۔

پھر حج کو دیکھیے، عشق و محبت کی اس عبادت میں کیا ہوتا ہے؟ محض گھر سے نکلنا، سفر کرنا، تکلیفیں اٹھانا، خانہ خدا کے گرد چکر کاٹنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا۔ اور ہر جگہ ہجوم ہی ہجوم۔ یہ سب تو ہے ہی، حج کا رکن اعظم کیا ہے؟ ۹ ذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں، لاکھوں انسانوں کے ہجوم میں شامل ہو کر، حاضر ہو جانا۔ بس اور کچھ نہیں۔ یہی حاصل اور خلاصہ ہے: لبیک کہنا، چلے آنا، حاضری لگوانا، اور واپس چلے جانا۔

اجتماعات کے کون سے منافع کس ترازو میں تولے جاتے ہیں، انھیں حساب کے کس کھاتے میں درج کیا جا سکتا ہے، انھیں نفع نقصان کے میزانیے میں کیا جگہ دی جا سکتی ہے؟ یہ ہر وزن اور ہر پیمائش سے بالا ہیں، اس لیے کہ یہ محبت کے اعمال ہیں۔ جماعت اسلامی کے کسی اجتماع کو ان اجتماعات سے کیا نسبت۔ یہ اللہ کے فرض کیے ہوئے اجتماعات ہیں، اس کے حکم کی اطاعت ہی ان کا اصل جواز اور نفع ہے۔ لیکن دین کے غلبے کے لیے جماعت اسلامی کے اجتماعات کی روح اور ان کے متوقع منافع کچھ ان سے مختلف نوعیت کے نہیں۔

اتنے سارے مرد اور اتنی ساری عورتیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ، اجتماع میں شریک ہوئے۔ ہر شخص کی نیت کا معاملہ اس کے اور اس کے اللہ کے درمیان ہے، وہی علیم بذات الصدور ہے۔ ہر نکلنے والا جانتا تھا کہ جس کی "ہجرت" اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہوگی، صرف اسی کی "ہجرت" ان کے حساب میں شمار ہوگی۔ لیکن ہمیں ان کی اس ساری مشقت کی غرض اس کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتی کہ انھوں نے اللہ کی پکار پر لبیک کہا، اللہ دین کی محبت میں گھروں سے نکلے، سفر کیا، اپنی جیب سے سفر کا اور قیام و طعام کا خرچ ادا کیا، تین دن ایک بہت بڑے ہجوم کے ساتھ اجتماع گاہ میں بسر کیے، زمین پر سوئے، روکھا سوکھا کھایا، اور گھنٹوں بیٹھ کر صبر کے ساتھ خشک تقریریں سنیں۔

اگر چند لوگ چلتے پھرتے رہے، بازار میں خرید و فروخت کرتے رہے، قیام گاہوں میں لیٹ کر پروگرام سنتے رہے، تو محض اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ لوگوں میں مقصد سے وابستگی نہ تھی یا نظم و ضبط کا فقدان تھا۔ جو انسانی فطرت اور نفسیات سے واقف ہو وہ جانتا ہے کہ جتنے لوگ تعداد میں بڑھتے جائیں گے، ان کے مشاغل اور دلچسپیوں میں تنوع ہوگا، اور اس تنوع کا لحاظ ضروری ہے۔ پانچ وقت کی نماز میں نظم و ضبط کا جو اہتمام ہے، وہ منیٰ اور عرفات کے میدان میں نہیں ہے۔ مسجد میں تجارت کی اجازت نہیں، حج میں ہے۔ اس لیے کہ حج میں، اللہ کی محبت میں گھر سے نکل پڑنا اور عرفات کے میدان میں جمع ہو جانا ہی اصل حاصل ہے۔

چنانچہ اگر اس اجتماع کا اور کچھ حاصل نہ ہوتا، صرف یہی حاصل ہوتا، تو وہ بھی اتنا بیش بہا ہے کہ دنیا کے سارے سکے بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتے۔

اجتماع عام سے لوگ ایک عظیم ہدف بھی لے کر گھروں کو لوٹے ہیں، جو امیر جماعت نے ان کے سامنے رکھا: وہ یہ کہ وہ مارچ ۱۹۹۶ تک ہر وارڈ کی سطح تک خیر اور بھلائی کی قوتوں کو جماعت اسلامی کے ان تین اہم اجتماعی کاموں کے لیے منظم کریں جو اس نے اپنے پانچ سالہ منصوبے میں اختیار کیے ہیں، اور اس مقصد کی خاطر لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر چلنے کے لیے مناسب بنیادی تشکیلات دیں:

۱۔ اصلاح معاشرہ

۲۔ تعلیم

۳۔ جہاد، ہمہ گیر جہاد

لوگ پوچھتے ہیں: چند ماہ میں وہ ہدف کیسے پورا ہو جائے گا جو برسوں میں نہ ہو سکا؟

ظاہر ہے کہ اس ہدف کا مفہوم نہ یہ ہے، نہ ہو سکتا ہے، کہ مارچ ۹۶ تک یہ کام مکمل ہو جانا چاہیے، اور ہر وارڈ میں نظم قائم ہو جائے۔ مطلوب صرف اتنا ہے، اور اتنا ہی ممکن ہے، کہ اس ہدف

کے لیے' ایک منصوبے کے تحت' پورے عزم و حوصلے کے ساتھ' اور بھرپور محنت کے ساتھ' ایک دوڑ شروع ہو جائے' اور عملاً جہاں جتنا ممکن ہو' وہ حاصل کر لیا جائے۔

لوگ پوچھتے ہیں کہ اس ہدف کے حصول کے لیے کیا نئی تدابیر اور پروگرام تیار کیے گئے ہیں؟ کسی بھی کام کرنے کے لیے' بڑے سے بڑا کام ہو' سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضروری چیز جو درکار ہے' وہ انسان کا ارادہ و جذبہ اور کوشش و محنت ہے۔ کوئی خوبصورت سے خوبصورت اور موثر سے موثر تدبیر اور پروگرام اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں پیدا کیا ہے جو انسان کے اپنے ارادے اور محنت کا بدل بن سکے' یا اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کے خلا کو بھر سکے۔ اس لیے اصل چیز تو اپنے جذبوں کو بیدار رکھنا' ان کو جلا دینا' اور ان کو ابھارنا ہے۔ اس کے بعد' جہاں تک عملی تدابیر کا تعلق ہے' جو شخص بھی بغور جماعت اسلامی کے پانچ سالہ منصوبے پر نظر ڈالے گا' وہ وہاں ساری تدابیر موجود پائے گا۔

اس مقصد کے لیے کہ معاشرے میں خیر فروغ پائے' عالمی طاقتوں کے خلاف مزاحمت ہو سکے' اور دین کے غلبے کا سامان ہو' آج کا چیلنج یہی ہے: ہم انسانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اپنے دامن میں سمیٹ لیں۔ زیادہ سے زیادہ دل و دماغ اللہ کے لیے مسخر کر لیں۔ جو غلبہ دین کی جدوجہد میں جتنی خدمت کر سکتا ہے اسے اتنی خدمت کرنے کا موقع فراہم کر دیں۔ ہر ایک کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دیں' اور جو ساتھ چلنے کے لیے آمادہ ہو' اس کے لیے اپنا دل' اپنے رویے' اور اپنا دامن کھول دیں' اور اسے اپنے ساتھ لے کر چلیں۔ لوگوں کی خوبیوں پر نظر رکھیں' خوبیوں کا ذکر کریں' انھیں خوب تر بنائیں' اور برائیوں کے ازالے اور تدارک کے لیے حکمت اور محبت کے ساتھ جو کچھ کر سکیں وہ کریں' لیکن ان کے ازالے اور تدارک کے انتظار میں تعاون کو موخر نہ کریں' اور منزل کھوٹی نہ کریں۔ وارڈ کی سطح تک صاحب خیر افراد کو جماعت اسلامی کے جھنڈے تلے جمع کرنے کے ہدف کی تکمیل کا راز اسی چیلنج پر پورا اترنے میں مضمر ہے۔

یہ جماعت اسلامی کی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دامن میں بیش قیمت اور کثیر انسانی وسائل جمع کر دیے ہیں۔ اس اجتماع میں موجود انسان اس حقیقت کا زندہ ثبوت تھے۔ قوم بھی انسانی وسائل سے مالا مال ہے۔ ان پڑھ آدمی بھی' ہر عام عورت' ہر عام نوجوان بھی' یہ سب ہمارا اثاثہ ہیں۔ گویا قیمتی پتھر موجود ہیں' ان کو تراش خراش کر کے ہیرا بنانا ہے' لکڑی موجود ہے' اس کو خوبصورت و کار آمد فرنیچر میں تبدیل کرنا ہے۔ یہ سب کاریگروں کے محتاج و منتظر ہیں۔

جس مدرسے میں' جس خانقاہ میں' جس تربیتی کورس میں یہ کام ہو سکتا ہے' وہ ایمان کا' اللہ اور اس کے رسول سے اور ان کو ماننے والوں سے اور اللہ کی راہ میں دعوت و جہاد سے محبت کا مدرسہ' خانقاہ اور تربیتی کورس ہے۔ ایمان اور محبت کے پارس پتھر سے یہ مٹی کے ڈھیر سونے کے ڈھلے بن

سکتے ہیں۔ ہم ان میں جہادی روح پھونک دیں، دعوت و اصلاح کے کام میں لگا دیں، ان کو جنت کا طلب گار بنا دیں، ان کو اپنی ذات، خاندان، محلے اور قوم کے لیے مسئول و ذمے دار بنا دیں، پھر دیکھیے کہ کیا انقلاب برپا ہوتا ہے۔

ایک دفعہ آپ انسانوں تک پہنچ، ان کے دلوں میں راہ پا کر ان کو اپنا بنا لیں، ان کو اپنے ساتھ چلانا سیکھ لیں، پھر آپ کو کسی قسم کے وسائل کی قلت درپیش نہیں رہے گی، نہ انسانی نہ مالی۔ مال کا معاملہ ہی لے لیجیے۔ کیا اب تک ہم نے جو کام کیا ہے اس کے نتیجے میں ہمیں اس ملک میں ۱۰۰ آدمی ایسے نہیں مل سکتے جو ۷۰۰ گنا اجر کے عوض، ہر سال ایک لاکھ روپے اللہ کو قرض دیں، ایک ہزار آدمی ایسے نہیں مل سکتے جو اسی طرح ہر سال ۱۰ ہزار روپے دیں، ۱۰ ہزار آدمی ایسے ہوں جو ایک ہزار دیں، ایک لاکھ آدمی ایسے ہوں جو ایک سو دیں تو ۴ کروڑ روپے سالانہ تو یہیں ہو گئے۔ لیکن یہ فصل بغیر محنت کے، صرف خواہش سے تو نہیں کاٹی جا سکتی۔

جماعت اسلامی کا ساتھ دینے والوں سے ہم چند باتیں کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کارِ عظیم کو انجام دینے کے لیے آپ کو مناسب زادِ راہ کی شدید ضرورت ہے۔ اپنی ذات کے لیے یہ زادِ راہ آپ کو اپنے ارادہ اور کوشش سے حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھیے کہ یہ زادِ راہ صرف آپ کی ضرورت ہے، صرف آپ کے لیے مفید ہے۔ قوم کے ہر آدمی کو جسے آپ غلبہ دین کی جدوجہد میں اپنے ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں، اسی زادِ راہ کی ضرورت ہے، یہ سب کے لیے یکساں مفید ہے۔ جن چیزوں کی دعوت آپ اپنے نفس کو دیں، جن پر آپ اس سے عمل کرائیں، جن میں اس کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے، انھیں کی دعوت قوم کے ہر فرد کو دیں۔ ایک دفعہ آپ نے ان امور کو اپنی دعوت کا موضوع بنا لیا، پھر آپ دیکھیں گے کہ عام آدمی کے اندر سے قوت کے کیسے خزانے ابل پڑتے ہیں۔

مختصر بیان کریں تو یہ زادِ راہ تقویٰ ہے۔ قرآن کے الفاظ میں: تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى "زادِ راہ ساتھ لو، اور سب سے بہتر زادِ راہ تقویٰ ہے۔" (البقرہ ۲: ۱۹۷)

لیکن ہم یہاں تقویٰ کو دو اصول میں بیان کریں گے۔

۱۔ تقویٰ کی پہلی تفصیل ایمان بالغیب ہے: اللہ پر، وحی و کتاب پر، رسالت پر، آخرت پر، جنت اور جہنم پر۔ ایسا ایمان کہ یہ حقائق آپ کے دل و دماغ کے لیے یقینی بن جائیں: اللہ وحدہٗ لاشریک کی قدرت، اس کا علم، اس کی تدبیر، اس کی رحمت، اس کی ہدایت، اس سے ملاقات، اس کا اجر، اس کا عذاب — یہ سب۔ آپ خود بھی اس ایمان کی جستجو میں لگے رہیں، دوسروں کو بھی لگائیں۔

۲۔ یہ ایمان بالغیب حاصل کرنے کا، اس کی حلاوت پانے کا، اس کو زندگی میں رچانے بسانے

کا دل میں راسخ کرنے کا نسخہ ایک اور صرف ایک ہے: کثرت سے اللہ کا ذکر۔ اس کو یاد رکھنا، اس کو یاد کرنا، اس کی طرف متوجہ رہنا۔ آپ خود بھی اللہ کا ذکر کریں، دوسروں سے بھی کرائیں۔

ذکر ایک ہمہ گیر عمل ہے، لیکن اس کے بعض پہلو اہم ہیں، جتنے اہم ہیں اتنے ہی آسان ہیں:

(الف) ہر عمل کو کرتے ہوئے — یہ عمل کوئی بھی ہو، خالص دنیوی یا دینی، نماز ہو یا تلاش معاش، درس قرآن ہو یا سیاسی جلوس — یہ یاد رکھنے کی کوشش کریں کہ اللہ اس عمل کو دیکھ رہا ہے، اس کو بہتر سے بہتر طریقے سے، زیادہ سے زیادہ اس کی مرضی کے مطابق کرنا ہے۔ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ "اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔" (العنکبوت ۲۹: ۴۵)۔ میں ذکر کا بیان بھی ہے، ذکر کے حصول کا نسخہ بھی ہے۔ دوسروں کو بھی یہی سکھائیں۔

(ب) ہر عمل کو کرتے ہوئے یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ عمل صرف اللہ کی خوشنودی اور جنت میں داخل ہونے کے لیے کرنا ہے۔ جنت کو یاد رکھیں، نگاہوں کے سامنے رکھیں، اس کا لالچ کریں۔ اسی طرح اللہ کی آگ کو سامنے رکھیں، اور اس کا خوف اور اس سے بچنے کی تڑپ پیدا کریں۔ یہی خوف اور لالچ دوسروں کی جانوں کو لگائیں۔ خود آخرت کے خریدار بننے کا فیصلہ کریں، دوسروں کو بھی اسی مال کا خریدار بنائیں۔

(ج) پانچ وقت کی نماز وقت پر اور جماعت سے ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ خصوصاً فجر اور عشا کی جماعت کا لالچ کریں کہ ہر ایک کا اجر نصف رات کے قیام کے اجر کے برابر ہے۔ پھر ان نمازوں میں اللہ کی یاد اور خشوع پیدا کرنے کی کوشش میں بھی لگے رہیں۔

(د) کچھ لمحات دعا کے لیے، اللہ کے آگے گڑگڑانے کے لیے، توبہ و استغفار کے لیے، تلاوت قرآن کے لیے اور ذکر کے کلمات کے ورد کے لیے مخصوص کر دیں۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر موقع پر، اور ہر کام کرتے ہوئے، اللہ سے دعا مانگیے، ذکر کے کلمات زبان پر لائیے، بار بار اپنی توجہ اللہ کی طرف لے جانے کی کوشش کیجیے، خواہ وہ یہ کہنے کے لیے ہو: وہ میرے ساتھ ہے، وہ مجھے دیکھ رہا ہے، وہ ہی ہر چیز پر قوت اور قدرت رکھتا ہے، میرے پاس ہر چیز اس کی بخشی ہوئی ہے، وہ میرے اوپر انتہائی مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ تقویٰ کی دوسری اہم تفصیل یہ ہے کہ انسانوں کو، خصوصاً راہ جہاد کے ساتھیوں کو بہت قیمتی سمجھیے، ان کا احترام بھی کیجیے، ان سے محبت بھی۔ اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کو اللہ کی محبت، اس کے عرش کے سائے اور جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ہر مسلمان بھائی کی عزت، مال اور جان حرام ہے جس طرح شراب، سور اور سود حرام ہیں۔ اس احترام اور محبت کا کم سے کم تقاضا یہ ہے

کہ آپ ان کی عزت اور مال کی حرمت کو پامال نہ کریں اور اپنے کسی قول اور فعل سے ان کو ایذا نہ پہنچائیں۔ اس سے آگے بڑھ کر ان کے ساتھ ہر معاملے میں وسیع القلبی ' نرمی 'شفقت ' رحمت اور عفو و درگزر کا معاملہ کریں۔

جب دل باہمی الفت سے جڑ جائیں گے 'تب ہی وہ قوت پیدا ہوگی کہ ایک آدمی ایک سو کا مقابلہ کر سکے گا۔ آپ کے اپنے درمیان محبت و رحمت ہوگی 'حقوق کا احترام ہو گا اور امانت و دیانت ہوگی ' گویا آپ رحماء بینھم کی تصویر ہوں گے 'تو یہی چیز آپ کو وہ مقناطیس بنا دے گی کہ لوگ کھنچ کھنچ کر آپ کے گرد جمع ہوں۔

۳۔ تقویٰ کی تیسری اہم تفصیل یہ ہے کہ اپنے مشاغل میں اللہ کے کام کو 'غلبہ دین کی جدوجہد کو' دعوت الی اللہ کو 'اور راہ خدا میں جہاد کو اولین ترجیح دیں۔ آپ خود سب سے بہتر طریقے پر یہ دیکھ سکتے ہیں کہ آپ کی توجہات 'وقت اور مال میں ان چیزوں کا حصہ کتنا ہے؟ جتنا آپ ان کا مقام بلند کریں گے 'اس سے کہیں زیادہ اللہ کے ہاں آپ کا مقام بلند ہو گا۔ جتنا آپ ان کا حصہ بڑھائیں گے 'اس سے کئی گنا زیادہ اللہ کے ہاں آپ کا حصہ بڑھے گا۔

ہمیں یقین ہے کہ دین کے لیے کچھ کرنے کی آرزو رکھنے والے یہ زاد راہ حاصل کریں گے 'اور اسی کو لے کر دوسروں تک جائیں گے 'تو اللہ تعالیٰ ان کا ہاتھ پکڑ کے اپنی راہوں پر چلائے گا۔ راہِ خدا میں ایسے جہاد کے لیے جیسا کہ اللہ کا حق ہے 'اور شہادت حق کے فریضے کی ایسی ادائیگی کے لیے جیسی مطلوب ہے 'اس زاد راہ کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح طور پر بتا دی ہے کہ صرف اعتصام باللہ ہی سے اس راہ پر چلا جا سکتا ہے 'اور یہ زادِ راہ اعتصام باللہ ہی کا زادِ راہ ہے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ...... وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى ..... وَنِعْمَ النَّصِيرُ (الحج ۲۲ : ۷۸) اللہ کی راہ میں جہاد کرو 'جیسے کہ جہاد کرنے کا حق ہے ..... اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ وہ ہے تمہارا مولیٰ 'بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ 'اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار۔

وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (آل عمران ۳ : ۱۰۱) جو اللہ کا دامن مضبوطی سے تھامے گا وہ ضرور راہ راست پا لے گا۔

چند باتیں ترجمان القرآن کے بارے میں: دو سال قبل ہم نے اس رسالے کو حسن ظاہری اور باطنی کے لحاظ سے خوب سے خوب تر بنا کر آپ تک پہنچانے کی مہم شروع کی تھی۔ ہماری یہ کوشش

گئی کامیاب ہوئی‘ اس کے اصل جج آپ ہیں۔ لیکن ایک طرف یہ بات کہ اس کی اشاعت چار گنا ہو گئی‘ دوسری طرف پھر آپ کے تاثرات جو ہم تک پہنچتے ہیں‘ ان کی بنا پر ہمارا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ان کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرمایا ہے۔ فَلِلّٰہِ الحمد علی ذالک۔ وہی ہے جو خامیوں پر پردہ ڈال کر‘ رسوائی سے بچاتا ہے‘ اور بُری بھلی کوششوں کو بھی سنوار کر اور چمکا کر قبول فرماتا ہے۔ بہرحال میرا اور میرے رفقائے کار کا دل چاہتا ہے کہ آپ خطوط لکھ کر ان موضوعات پر جو اس رسالے میں زیربحث آتے ہیں‘ اپنے خیالات اور تجربات سے قارئین کے استفادے کا سامان کریں‘ اور ساتھ ہی ہمیں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں۔

اسی طرح ہماری خواہش یہ بھی ہے کہ اگر آپ اس رسالے کو مفید پاتے ہیں تو اپنے حلقہ تعارف میں ہر پڑھے لکھے آدمی کو اس کا خریدار بنائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ یہ سارا تعاون آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا۔

یہ رسالہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں‘ نہ اس سے کسی کی معاش کا بندوبست ہوتا ہے‘ نہ کوئی اس سے نفع حاصل کرتا ہے۔ سفید کاغذ پر ۸۸ صفحات کا رسالہ‘ جو ۱۲ روپے میں آپ کو مل رہا ہے‘ اپنے کل اخراجات بھی پورے نہیں کرپاتا۔ ادارتی اخراجات اور پبلسٹی کے اخراجات ہمارے بہی خواہوں کے تعاون سے پورے ہوتے ہیں۔ لیکن ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ ایک طرف کم سے کم طباعت و ترسیل کے اخراجات آپ کے زرتعاون سے پورے ہو جائیں‘ دوسری طرف اس کا انحصار اعانت پر کم ہوتا جائے اور بالآخر ختم ہو جائے۔

گذشتہ ایک سال میں کاغذ کی قیمت میں ۲۵ فی صد اضافہ ہو گیا ہے اور عام گرانی میں بھی ہوش ربا اضافہ ہو رہا ہے۔ ہم گرانی کی اس لہر سے بچ نہیں سکتے۔ اس لیے ہم کو مجبوراً یہ فیصلہ کرنا پڑا ہے کہ جنوری ۱۹۹۶ سے پرچے کی قیمت =/۱۵ روپے اور سالانہ زرتعاون =/۱۵۰ روپے کر دیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے خریداروں کے لیے ۳ روپے ماہانہ کا اضافہ گراں ہوگا‘ لیکن اس کے علاوہ کوئی چارا نہ تھا۔

یہ ملحوظ رہے کہ دسمبر ۱۹۹۵ تک جو نئے خریدار بنیں گے ان سے =/۱۲۰ روپے ہی سالانہ زرتعاون لیا جائے گا۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس اضافہ کو خوش دلی کے ساتھ قبول کریں گے‘ اور اس کی وجہ سے اشاعت میں کوئی فرق نہ پڑنے دیں گے۔

۱

کلامِ نبویؐ کی صحبت میں

خرم مراد

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص جو اپنے رب کو یاد رکھتا ہے، اور وہ جو یاد نہیں رکھتا، دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک زندہ اور دوسرا مردہ (بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ، باب ذکر اللہ)

یہ انسان کی زندگی اور موت کا ایک بالکل نیا اور انجذاب انگیز تصور ہے۔

دنیا اس شخص کو زندہ شمار کرتی ہے جس کا دل دھڑکتا ہو اور جس کی سانس آتی اور جاتی ہو۔ مگر رسول کریمؐ بتاتے ہیں کہ اگر اس کی زندگی اللہ کی یاد سے خالی ہے تو وہ ایک چلتی پھرتی لاش ہے۔ اس کے برعکس حقیقی معنوں میں زندہ وہ ہے جس کی زندگی میں اللہ کی یاد رچی بسی ہو۔

کیونکہ جسم کی زندگی تو ہر حیوان کو حاصل ہے، مگر جسم مٹی میں مل جاتا ہے۔ باقی رہنے والی چیز انسان کی روح، شخصیت کا مرکز، اس کا دل (قلب) ہے۔ اس دل کی زندگی کا سامان کسی کی یاد، اس کے دھیان اور اس کی طرف توجہ سے ہوتا ہے۔

یقیناً اللہ کے علاوہ جس کی بھی یاد اور فکر میں دل مشغول رہے گا، اور اس کی یاد سے اپنی زندگی کا سامان کرے گا، اسے بالآخر مٹ جانا ہے۔ باقی صرف اللہ رہے گا، اور وہ دل اور زندگی بھی، جو اللہ کی یاد کی کثرت سے بھری ہوئی ہو۔

اس لیے جو اپنے پیدا کرنے والے، پالنے والے اپنے حقیقی خدا کی یاد، اسی کے دھیان، اور اسی کی طرف توجہ میں مشغول رہتا ہے، وہ ایک طرف ابدی زندگی بھی حاصل کرتا ہے۔ دوسری طرف اس کے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، اس کو زندگی کے لیے ایک محبوب و مقصود ملتا ہے، ایک سمت ملتی ہے، اس کے اندر سے اپنے سارے کام ٹھیک ٹھیک انجام دینے کے لیے قوت و زندگی کے چشمے ابلتے ہیں۔ ان معنوں میں وہ زندہ کی مانند ہے۔ جو اللہ کو یاد نہیں کرتا اور دوسری مٹ جانے والی چیزوں کے ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے، وہ مردہ انسان کی مانند ہے کہ اپنی اصل منزل آخرت کی کامیابی کی طرف جنبش بھی نہیں کر سکتا۔

آپ نے اس حدیث کا مفہوم پا لیا ہو تو گویا سارے دین اور اپنی تربیت کی شاہ کلید پا لی۔

(

حضرت الحارث الاشعری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو بہت بہت یاد کرو۔ ذکر کی مثال ایسی سمجھو جیسے کہ کسی آدمی کے دشمن نہایت تیزی کے ساتھ اس کا پیچھا کر رہے ہوں مگر وہ بھاگ کر ایک مضبوط قلعے میں پناہ لے لے اور اپنے کو دشمنوں کے ہاتھ میں پڑنے سے بچا لے۔ اسی طرح کوئی انسان شیطان سے بچ نہیں سکتا، سوائے اللہ کی یاد کے سہارے (ترمذی، ابن خزیمہ بحوالہ الترغیب والترہیب)

ہمارا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے۔ وہ ہر وقت، ہر طرف سے --- سامنے سے بھی، پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی، بائیں سے بھی --- ہمارے اوپر حملے کرتا رہتا ہے: ہمارے ایمان و یقین پر ڈاکے ڈالتا ہے، ہمیں صراط مستقیم سے ہٹانے کے لیے اپنی ہر قوت اور ہر کوشش لگا دیتا ہے، وہ صراط مستقیم جو ہمیں اللہ اور اس کی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔
ہمارے اوپر شیطان کا سب سے الحقیر بس اتنا ہے کہ وہ ہمارے دلوں میں برائی کا خیال ڈالے اور اس کی ترغیب دے۔ اس لیے وہ دل کی تاک میں رہتا ہے، ذکر دل پر اس کے حملوں سے بچنے کے لیے سب سے مضبوط قلعہ اس لیے ہے کہ "جب آدمی اللہ کو یاد کرتا ہے، دل میں اللہ کا دھیان ہوتا ہے، شیطان وہاں ٹھہر نہیں سکتا، وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ جب آدمی غافل ہوتا ہے، شیطان وسوسے پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے"۔ (بخاری، عن ابن عباس بحوالہ مشکوۃ)

کثرت سے بہت بہت یاد کرنے کے کیا معنی ہیں؟ قرآن کے مطابق: کھڑے، بیٹھے، لیٹے، صبح اور شام، نمازوں میں بھی، میدان جنگ میں بھی۔ حضور نے فرمایا: "یہاں تک کہ لوگ کہیں یہ مجنون ہے"۔ (احمد عن ابی سعید الخدری)

(

حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید الخدری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا:
جو لوگ اللہ کو یاد کرنے کے لیے کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں، انھیں فرشتے گھیر لیتے ہیں، ان پر رحمت چھا جاتی ہے، ان پر سکینت (سکون و اطمینان) نازل ہوتی ہے، اور اللہ ان کا ذکر ان کی مجلس میں کرتا ہے جو اس کے قریب ہیں۔ (مسلم بحوالہ مشکوۃ باب ذکر اللہ)

جہاں لوگ اللہ کے لیے جمع ہوں، جمع ہوکر وہ کام اور وہ بات کریں جو اللہ کو مطلوب ہے، وہ ذکر کی مجلس ہے: نماز باجماعت ہو، قرآن کا درس اور مذاکرہ ہو، دین کی تعلیم ہو یا دعوت الی اللہ ہو۔ یہ مجلس اللہ کو بہت محبوب ہے۔
اس مجلس کے لیے عظیم بشارتیں ہیں (۱) چاروں طرف فرشتے موجود ہوتے ہیں۔ آسمان تک انھیں

اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ (۲) رحمت، (۳) سکینت، (۴) مقرب فرشتوں کی مجلس میں ذکر۔ ضروری ہے کہ ہر مجلس میں ذکر ہو، ذکر کے لیے مجلسوں کا اہتمام ہو، اور ایسی ہر مجلس میں اللہ کے رسولؐ کی ان بشارتوں کو یاد رکھیں، اور اللہ سے پوری امید رکھیں کہ وہ یہ سب کچھ عطا فرمائے گا۔

○

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اپنے دین (کے احکام) پر استقامت سے عمل کرنا ایسا ہو گا جیسے ہاتھ میں انگارا پکڑنا۔ (ترمذی، بحوالہ مشکوٰۃ باب تغیر الناس)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس نے میری امت میں فساد کے زمانے میں میری سنت کو مضبوطی سے تھاما، اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (البیہقی، بحوالہ مشکوٰۃ باب الاعتصام)

امت کا فساد کیا ہے؟ اللہ کی طرف سے ہدایت کی نعمت کی ناشکری اور اس سے غفلت، اس سے بے وفائی، اپنے مقام اور مشن کو فراموش کر دینا، بے عملی اور بے یقینی، تفرقہ اور نافرمانی کا عام ہونا، باہم خون ریزی اور ظلم و جور، غیر قوموں کا تسلط۔
ایسی حالت میں دین پر جمے رہنا ایک مشکل کام ہو گا۔ اتنا مشکل جتنا ہاتھ میں انگارا پکڑنا۔ لیکن یہ انگارا اس آگ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جو اللہ کی نافرمانی سے بھڑکتی ہے، دنیا میں ذلت و رسوائی اور خون ریزی کی، اور آخرت میں جہنم کی صورت میں۔
اس کے برعکس سنت رسولؐ پر قائم رہنے کا اجر سو شہیدوں کے اجر کے برابر ہے۔
ہر سنت کا اتباع ضروری ہے، لیکن حضورؐ کی سب سے اہم سنت دعوت الی اللہ کا کام اور جہاد اور انفاق ہے جس میں آپؐ ہر دم اور ہر قدم مشغول رہے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر اخلاق حسنہ اور عبادات الٰہی ہیں۔

○

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:
کوئی شخص اپنے گھر والوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکے۔
ان کے ایک بیٹے نے عبداللہ بن عمرؓ سے کہا: ہم تو ان کو ضرور روکیں گے۔
عبداللہؓ نے فرمایا: میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناتا ہوں، اور تو اس قسم کی باتیں بناتا ہے۔

راوی (مجاہد) کا بیان ہے کہ اس واقعے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے بیٹے سے عمر بھر نہ بولے (احمد، بحوالہ مشکوٰۃ، باب الجماعۃ)

بیٹے کی نیت حضورؐ کے ارشاد کی مخالفت نہیں ہو سکتی تھی بلکہ زمانہ بدل جانے سے احکام میں تبدیلی کا اسلوب پیش نظر رہا ہو گا۔

مگر رسول اللہ کے ارشاد کا احترام اور اتباع صحابہ کرامؓ کے نزدیک اتنا اہم اور محبوب تھا کہ اس کے بدلے میں بیٹے کی اس روش پر عمر بھر اس سے بول چال ترک کر دی گئی۔

مسجد اور نماز باجماعت سے عورتوں کو نہ روکا جائے، یہ منشائے نبوی بہت واضح ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ عورتوں کی اجتماعی دینی کاموں میں شرکت کے مسئلے پر عہد صحابہ ہی سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ اس لیے کسی ایک رائے پر کامل اتفاق کی تلاش بے سود ہے۔

(۲)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مسلمانو، تم پر ہر امیر کی راہ نمائی میں جہاد فرض ہے، وہ نیک ہو یا بد، اور اگرچہ وہ کبائر کا ارتکاب کرتا ہو۔

اور تم پر ہر مسلمان کے پیچھے نماز ادا کر لینا واجب ہے، وہ نیک ہو یا بد، اور اگرچہ وہ کبائر کا ارتکاب کرتا ہو۔

اور تم پر ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے، وہ نیک ہو یا بد، اور اگرچہ اس نے کبائر کا ارتکاب کیا ہو۔ (ابوداؤد، بحوالہ مشکوٰۃ، باب الامامۃ)

امیر اور امام، اخلاق و کردار کے لحاظ سے کیسے ہی ہوں، نیک کاموں میں ان کی اطاعت واجب ہے۔ خصوصاً نماز باجماعت اور جہاد جیسے عظیم نیک کاموں میں۔ اس سے جہاد اور جماعت کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

اسی طرح مسلمان کتنا ہی بدعمل ہو، اس کے حقوق ساقط نہیں ہوتے۔ خصوصاً اس کی نماز جنازہ۔

حدیثوں میں ہے کہ حضورؐ نے خودکشی کرنے والے اور مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ یہ روش عوام کی تنبیہ اور سبق و عبرت کے لیے رہی ہوگی۔ ویسے بھی قطع تعلق کی روش وہیں نتیجہ خیز ہو سکتی ہے جہاں معاشرہ اسلامی بنیادوں پر قائم ہو چکا ہو۔

شرعی رخصتیں اور ان کا حکم

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

رخصت کا مسئلہ شرعی مسائل میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ چوں کہ انسان کمزور پیدا ہوا ہے اور بسا اوقات وہ مشقتوں کو برداشت نہیں کر پاتا ہے' اور اس کو ایسے عذر پیش آتے ہیں جو واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے پرہیز کرنے میں رکاوٹ بنتے ہیں' اور چوں کہ اسلام دین فطرت ہے اور اللہ تعالیٰ طاقت اور کمزور' تندرست اور بیمار' قادر اور معذور کو اچھی طرح جانتا ہے' چنانچہ دین فطرت کا تقاضا ہے کہ ان مختلف حالات کی رعایت کی جائے اور ہر حال میں ایسا حکم صادر کیا جائے جو اس حال کے مناسب ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا (البقرہ۲: ۲۸۶)۔

چنانچہ جب کوئی مکلف 'عزیمت پر عمل کرنے کی قدرت نہیں پاتا تو وہ اسے ایسے پہلو پر عمل کرنے کی اجازت دیتا ہے جس میں اس کے لیے آسانی ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بعض احکام عزیمت ہیں اور بعض رخصت۔ رخصت 'عزیمت کی ضد ہے' اس لیے رخصت پر بحث کرنے سے قبل عزیمت کا جاننا ہمارے لیے ضروری ہے۔

عزیمت

عزیمت کے معنی لغت میں سنجیدگی اور عمل کے پختہ ارادہ کے ہیں۔ ابن منظور' لسان العرب میں لکھتے ہیں: العزم الجد عزم کے معنی جد (سنجیدگی) کے ہیں' اور عزم علی الامر عزماً، اراد فعله، یعنی اس نے فلاں کام کرنے کا ارادہ کیا۔ لیث کہتے ہیں: عزم اس فعل کو کہتے ہیں جس کے کرنے کا تم نے دل سے ارادہ کر لیا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ تم وتر کی نماز کس وقت پڑھتے ہو؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ رات کے پہلے حصے میں۔ پھر حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ رات کے آخری حصہ میں۔ تو رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تم نے احتیاط پر عمل کیا' اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم نے عزیمت پر عمل کیا۔ آنحضورؐ کی

مراد یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو نیند کی وجہ سے وتر فوت ہونے کا اندیشہ ہوا، لہٰذا انھوں نے احتیاط سے کام لیا اور وتر کو نیند پر مقدم کیا۔ اور حضرت عمر ؓ کو یہ اعتماد ہوا کہ وہ قیام لیل پر قادر ہیں، لہٰذا انھوں نے وتر کو موخر کیا۔ وہ عزم جو احتیاط سے خالی ہو اس میں کوئی خیر نہیں ہے، اور اگر قوت کے ساتھ احتیاط نہ ہو تو وہ صاحب قوت کو ہلاکت میں ڈال دیتی ہے۔ اور ما لفلان عزیمة کے معنی ہیں کہ فلاں شخص جس بات کا عزم کرتا ہے اس پر ثابت نہیں رہتا۔

امام غزالی مستصفی میں فرماتے ہیں: عزم پختہ ارادہ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا، ای قصدًا بلیغًا یعنی مضبوط ارادہ۔ بعض رسولوں کو طلب حق میں ان کے مضبوط قصد کی وجہ سے اولوالعزم کہا گیا۔

رخصت

لغت میں رخصت کے معنی نرمی اور ہلکا کرنے کے ہیں۔ "رخص کے معنی نرم و نازک چیز کے ہیں اور رخص غلا (مہنگائی) کی ضد ہے۔ رخص السعر یعنی نرخ کا سستا ہونا" لسان العرب۔

اصطلاح میں رخصت کے معنی ہیں بعض چیزوں میں اللہ تعالیٰ کا بندوں کے لیے تخفیف کرنا۔ صاحب مصباح لکھتے ہیں: حکم میں سہولت پیدا کرنا۔ شریعت جب کسی معاملہ میں آسانی پیدا کرے اس موقع پر کہا جاتا ہے رخص الشرع۔ آمدی کہتے ہیں: "رخصت کے معنی تیسیر اور تسہیل کے ہیں۔ اسی وجہ سے نرخ سستا ہونے کی حالت میں کہا جاتا ہے: رخص السعر بھاؤ کم ہو گیا" (الاحکام ۱/ ۱۱۳)۔ سبکی کہتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کی رخصت کا مطلب اس کا اپنے بندوں پر آسان کرنا، اور اہل لغت کے کلام کا تقاضا یہی ہے"۔

پس حاصل یہ ہے کہ رخصت لغت میں سہولت، مسامحت اور آسانی کا پہلو ہے، اور عزیمت عمومی احوال کا پہلو ہے جو سنجیدگی، قوت، صبر اور پختگی کا تقاضا کرتا ہے۔

عزیمت کے اصطلاحی معنی

ان دونوں لفظوں کے شرعی اور اصطلاحی استعمال میں لغوی معنی کی رعایت ملحوظ ہے۔ آمدی کہتے ہیں: "عزیمت نام ہے ان احکام کا جو اللہ تعالیٰ کے لازم کرنے سے بندوں پر لازم ہوتے ہیں، مثلاً پانچوں عبادتیں، نماز، روزہ وغیرہ" (الاحکام ۱/ ۱۳)۔ امام غزالی لکھتے ہیں: "عزیمت ایسے احکام کا نام ہے جو بندوں پر اللہ کے واجب کرنے سے واجب ہوئے ہوں" المستصفی۔

حاصل یہ ہے کہ جو احکام اللہ تعالیٰ نے اپنے مکلف بندوں کے لیے عام قانون کی حیثیت سے ابتداءً مشروع کیے ہوں، اور ان میں نئے حالات، پیش آنے والے حوادث و اعذار اور اضطراری ضرورتوں کی رعایت نہ کی گئی ہو، وہ عزیمت ہیں، مثلاً نماز، زکوۃ اور ان جیسے دوسرے احکام کی

فرضیت اور شراب، جوا، زنا اور ان جیسے دوسرے ممنوعات کی حرمت۔ اسی طرح ان احکام کی مشروعیت جن کا تعلق لوگوں کے معاملات سے ہے، مثلاً بیع، اجارہ اور مضاربہ وغیرہ۔ اسی طرح وہ احکام جو لوگوں کو جرائم سے باز رکھنے کے لیے مشروع کیے گئے ہیں مثلاً حدود، قصاص اور تعزیرات وغیرہ۔

رخصت کے اصطلاحی معنی

جہاں تک رخصت کا تعلق ہے وہ بدیہی طور پر معروف و مشہور ہے۔ اس کے باوجود علماے اصول نے رخصت کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ آمدی نے درج ذیل تعریف کو پسند کیا ہے: ”رخصت وہ احکام مشروعہ ہیں جو حرمت کا سبب موجود رہتے ہوئے بھی کسی عذر کی وجہ سے جائز قرار دیے گئے ہوں“ (الاحکام ۱/ ۱۱۳)۔ شاطبی کہتے ہیں: ”رخصت ہر وہ حکم ہے جسے کسی شاق عذر کی بنیاد پر کسی ایسے حکم کلی سے مستثنیٰ کرکے جائز قرار دیا گیا ہو جو اس کے ممنوع ہونے کا تقاضا کرتا ہو، لیکن اس کے جواز کو مواقع حاجت تک محدود رکھا گیا ہو“ (الموافقات ۱/ ۳۳)۔ قاضی بیضاوی منہاج میں کہتے ہیں: ”اگر کوئی حکم، دلیل کے خلاف، عذر کی وجہ سے، ثابت ہو تو رخصت ہے ورنہ عزیمت۔ مثلاً مضطر کے لیے مردار کا کھانا، اور مسافر کے لیے نماز میں قصر کرنا اور روزہ افطار کرنا۔ یہ حکم وجوب کا ہو یا استحباب کا یا محض اباحت کا“۔ شاشی کہتے ہیں: ”رخصت، مکلف کے عذر کی وجہ سے حکم کو سختی سے آسانی کی طرف پھیرتا ہے“ (اصول الشاشی ۱/ ۳۸۵)۔ تیسیر التحریر میں بعض احناف سے یہ تعریف نقل کی گئی ہے: ”رخصت ان احکام کا نام ہے جن میں دشواری کو بدل کر آسانی اختیار کی گئی ہو“۔

یہ تمام تعریفیں معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ بیضاوی کی تعریف سب سے بہتر اور جامع ہے۔ کیوں کہ تعریف میں لفظ ”حکم“ جنس ہے جس میں رخصت اور عزیمت دونوں شامل ہیں۔ جہاں تک لفظ ثابت کی بات ہے تو ثبوت کے لیے دلیل کی ضرورت پڑتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ رخصت کے لیے ثبوت اور دلیل ضروری ہے۔ ”دلیل کے خلاف“ کہنے کی وجہ سے اس تعریف سے عزیمت نکل گئی۔ اسی طرح اس سے ہر وہ حکم نکل جائے گا جو دلیل کے موافق ثابت ہوا ہو اور اس حکم کو روکنے والی کوئی دلیل نہیں پائی گئی ہو۔ تو اس صورت میں رخصت کی اباحت دلیل کے خلاف ثابت نہیں ہوئی۔ اسی طرح اس سے وہ حکم نکل جائے گا جو کسی منسوخ حکم کو ناسخ کرنے والی دلیل سے ثابت ہو کیوں کہ منسوخ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح وہ حکم اس تعریف میں داخل نہیں ہوگا جو مرجوح دلیل کے مخالف راجح دلیل سے ثابت ہو کیوں کہ مرجوح کوئی دلیل نہیں ہے۔ نیز بیضاوی کا قول ”عذر“ عام ہے جو ضرورت اور حاجت دونوں کو شامل ہے اور یہ امام شاطبی کی لگائی

ہوئی شرط "العذر شاق" کے خلاف ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ نیز اس تعریف سے شرعی موانع نکل گئے، مثلاً حیض وغیرہ، یوں کہ یہ موانع مشروعیت کو روکتے ہیں۔

رخصت کی مشروعیت

علما کا شریعت میں رخصت کے معتبر ہونے پر اجماع ہے، اور کتاب اللہ میں حرج اور تنگی کو احکام میں آسانی پیدا کرنے کا مناسب سبب تسلیم کیا گیا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ "اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں ہے کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں (المائدہ ۵: ۶)۔ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ "اس نے تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی (الحج ۲۲: ۷۸)۔ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ "نہ تو اندھے آدمی کے لیے کوئی مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لیے کچھ مضائقہ ہے (الفتح ۴۸: ۱۷)۔

یہ تمام آیتیں واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ دینی امور میں حرج و تنگی کو دور کرنا شریعت میں معتبر ہے، اور یہ کہ تخفیف اور آسانی پیدا کرنا ایک جائز اور پسندیدہ امر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ "اللہ کو تمھارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمھارے ساتھ دشواری منظور نہیں (البقرہ ۲: ۱۸۵)۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا "اللہ تعالیٰ کو تمھارے ساتھ تخفیف منظور ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے (النساء ۴: ۲۸)۔

اسی طرح سنت رسولؐ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اہم اصول معتبر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "میں سیدھے اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں" (احمد)۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو حکموں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپؐ نے ان دونوں میں سے آسان تر کو اختیار فرمایا، جب تک کہ اس میں گناہ نہ ہو (بخاری، مسلم)۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ اس کی رعایتوں پر عمل کیا جائے جس طرح اسے عزیمتوں پر عمل کیا جانا پسند ہے" (احمد)۔ آپؐ نے دین میں غلو کرنے سے منع فرمایا: "بے شک یہ دین آسان ہے اور جو شخص بھی دین میں شدت اختیار کرے گا وہ مغلوب ہو گا" (بخاری، مسلم)۔ نیز رسول اللہؐ نے مختلف مواقع پر آسانی کا حکم دیا اور سختی سے منع فرمایا: "تم آسانی پیدا کرو، سختی مت پیدا کرو، خوش خبری سناؤ، نفرت مت دلاؤ" (بخاری، مسلم)۔

"تم آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو، تنگی پیدا کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے" (بخاری، مسلم)۔

رخصت کی اقسام اور اس کی مثالیں

علماے اصول نے رخصت کی اقسام بیان کی ہیں' اور مختلف لحاظ سے ان کی تقسیم کی ہے۔

پہلی تقسیم: **احکام شرعیہ کے اعتبار سے:** یہ وہ تقسیم ہے جسے شافعی' مالکیہ اور حنابلہ کے عام علماے اصول نے اختیار کیا ہے۔ اسے "تقسیم شافعی" کہا جاتا ہے' لیکن ان کے درمیان اس کی تفصیلات کے سلسلے میں قدرے اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض علماے اصول کی رائے یہ ہے: اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) واجب' (۲) مستحب' (۳) وہ رخصت جس کا چھوڑنا اس پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔

امام نووی کہتے ہیں: "رخصت کی تین قسمیں ہیں۔ رخصت کی پہلی قسم وہ ہے جس کا کرنا واجب ہے: مثلاً کسی شخص کے گلے میں لقمہ اٹک گیا اور اسے حلق سے نیچے اتارنے کے لیے شراب کے سوا کوئی دوسری چیز میسر نہیں ہے تو شراب کے ذریعے اسے حلق سے نیچے اتارنا اس پر واجب ہو گا۔ یا مثلاً کوئی شخص حالت اضطرار میں مردار اور دوسری نجاستوں کے کھانے پر مجبور ہو جائے تو ایسی صورت میں مفتی بہ قول کے مطابق جمہور علما کے نزدیک اس شخص پر واجب ہو گا کہ مردار اور نجاست کے ذریعے اپنی جان بچائے۔ اگرچہ ہمارے بعض علما (شوافع) کا قول یہ ہے کہ یہ محض جائز ہے واجب نہیں۔

"رخصت کی دوسری قسم رخصت مستحبہ ہے: مثلاً سفر میں نماز قصر کرنا' اور جن لوگوں پر روزہ رکھنا دشوار ہو ان کے لیے افطار کرنا۔

"تیسری تقسیم وہ رخصت ہے جس کا چھوڑنا اس پر عمل کرنے سے بہتر ہے: مثلاً موزوں پر مسح کرنا' اس شخص کے لیے تیمم کرنا جو پانی کو اس کی صحیح قیمت سے زیادہ پر فروخت ہوتے ہوئے پائے' اور حالت سفر میں اس شخص کے لیے افطار کرنا جسے روزہ سے ضرر نہ پہنچتا ہو۔ ابو سعید متولی امام غزالی نے 'بسیط' میں حالت سفر میں جمع بین الصلوتین کو اسی قسم میں شامل کیا ہے۔ اور امام غزالی نے اس بات پر علما کا اتفاق نقل کیا ہے کہ جمع بین الصلوتین کا ترک افضل ہے' بخلاف نماز کے قصر کے" (الاصول و الضوابط' ص ۷۔۳۹)۔

بیضاوی نے بھی یہی تین اقسام والی تقسیم کو اختیار کیا ہے۔ لیکن تقسیم پر اتفاق کے باوجود' ان کی اقسام کی نوعیت میں دونوں کے درمیان اختلاف ہے۔ نووی نے تیسری تقسیم کو مباح کے بجائے خلاف اولیٰ قرار دیا ہے' اور بیضاوی نے اسے مباح کہا ہے۔ واضح رہے کہ یہ اختلاف محض لفظی اختلاف نہیں ہے' کیوں کہ مباح اور خلاف اولیٰ ایک دوسرے کے مترادف نہیں ہیں' جیسا کہ اصحاب فقہ و افتا پر مخفی نہیں ہے۔

علماے اصول نے چوتھی قسم کا بھی اضافہ کیا ہے۔ صاحب شرح جلال کہتے ہیں: "رخصت یا تو

واجب ہوگی یا مستحب یا مباح یا خلاف اولیٰ۔ قسم اول کی مثال حالتِ اضطرار میں مردار کے کھانے کا واجب ہونا ہے۔ اگرچہ اس کا اصلی حکم حرمت ہے' اور حرمت کا سبب مردار کا خبیث ہے' اور یہ سبب اضطرار کی حالت میں بھی قائم رہتا ہے۔ مگر اس حالت میں اس کے کھانے کے واجب ہونے میں بمقابلہ اس کے حرام ہونے کے زیادہ سہولت ہے۔ چوں کہ واجب پر عمل نہ کرنے کی صورت میں انسانی جان ضائع ہوتی ہے' اور انسانی جان کی حفاظت مقاصد شریعت میں سے ہے' اس لیے حرمت کے مقابلے میں اس کے استعمال کو واجب قرار دینے میں انسانوں کے لیے زیادہ سہولت ہے۔ دوسری قسم کی مثال مسافر کے لیے قصر کا مستحب ہونا ہے۔ یہاں اصل حکم قصر کی حرمت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کے اتمام کا سبب (جو دخول وقت ہے) وہ سفر میں بھی قائم رہتا ہے مگر مسافر کے لیے عذر سفر کی مشقت ہے۔ تیسری کی مثال بیع سلم کا مباح ہونا ہے' جو ایسی معدوم چیز کی بیع ہے جس کی صفت بیان کر دی جاتی ہے اور وہ ذمہ میں واجب ہوتی ہے۔ اس کا اصلی حکم حرمت ہے' جس کا سبب دھوکہ ہے جو عقد سلم میں موجود رہتا ہے مگر چوں کہ سلم کا معاملہ کرنے والا اناج کے تیار ہونے سے پہلے اس کی قیمت کا ضرورت مند ہوتا ہے' اس ضرورت اور عذر کی بنا پر عقد سلم کی مشروعیت ہوئی۔ چوتھے کی مثال رمضان میں مسافر کے لیے افطار کا خلاف اولیٰ ہونا ہے۔ اس کا اصلی حکم بھی حرمت ہے جس کا سبب ماہ رمضان کا موجود ہونا ہے' اور یہ سبب سفر کی حالت میں باقی رہتا ہے مگر مشقت سفر کے عذر کی وجہ سے افطار کی اجازت دی گئی" (شرح المحلی علی الجمع ص ۱/ ۱۲۳)۔

امام سیوطی نے پانچویں قسم کا اضافہ کیا ہے اور وہ مکروہ ہے: مثلاً تین مرحلوں سے کم مسافت کا سفر کرنے والے کے لیے قصر کرنا (الاشباہ والنظائر)۔

بعض محققین شوافع کی رائے یہ ہے کہ واجب رخصت کی کوئی قسم نہیں ہے' کیوں کہ رخصت کی حقیقت کسی چیز کو مباح اور آسان کرنا ہے اور وجوب میں ایسی سختی پائی جاتی ہے جو عزیمت کا تقاضا کرتی ہے۔ امام الحرمین کو وجوب سے رخصت ہونے میں تردد ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: "ضرورت کے وقت مردار کا کھانا رخصت نہیں ہے بلکہ وہ عزیمت واجبہ ہے۔ اگر کوئی مضطر مردار کے کھانے سے باز رہا اور مر گیا تو وہ گنہ گار ہوگا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ مردار کا کھانا سفر کی رخصتوں یا اس کے متعلقات میں سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تو ضرورت سے ہے۔

امام زرکشی اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ابن دقیق العید کہتے ہیں: "رخصت کی قسم واجب لازم اور تاکید کی وجہ سے عزیمت ہونے کا تقاضا کرتی ہے... حکم اصلی کو ساقط کرنے والی دلیل کے پائے جانے کی وجہ سے ہم اسے رخصت کہتے ہیں' اور اس کے واجب ہونے کے اعتبار سے اس کا نام عزیمت رکھتے ہیں" (البحر المحیط)۔

یہ ابن دقیق العید کا بیان کردہ ایک باریک نکتہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حرمت کے حکم کے ختم ہونے اور حرام چیز کے مباح ہونے میں تنگی اور دشواری کا سہولت سے بدلنا ہے، باوجودیکہ حرمت کی دلیل قائم ہے۔ یہ یقیناً رخصت ہے۔ مگر جہاں تک جان ہلاک ہونے کے خوف سے مضطر کے لیے مردار کے استعمال کے واجب ہونے کا امر ہے تو وہ دوسرے اصول پر مبنی ہے۔ تو وہ چیز مباح تھی، جان بچانے کی غرض سے اس کی اباحت وجوب سے بدل گئی، لہٰذا یہ عزیمت ہو گی۔

اللہ تعالیٰ امام غزالی کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے "المستصفیٰ" میں اس سلسلے میں وہ بات فرمائی جو سب سے زیادہ معتدل اور مناسب ہے۔ "اگر کوئی شخص کہے کہ رخصت کی ایک قسم وہ ہے جس کے چھوڑنے سے انسان گنہ گار قرار پاتا ہے، مثلاً حالت اضطرار میں مردار کا نہ کھانا اور ہلاکت کے خوف کی حالت میں افطار نہ کرنا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کے ترک سے گنہ گار قرار نہیں پاتا ہے، مثلاً سفر میں روزہ افطار کرنا اور نماز میں قصر کرنا اور مکرہ کا زبان سے کلمہ کفر کا ادا کرنا، اور جسے خودکشی پر مجبور کیا جائے اس کا خودکشی سے باز رہنا۔ پس جس چیز پر عمل کرنا واجب ہے اسے رخصت کیوں کہا جا سکتا ہے؟ اور رخصت کی اقسام کے درمیان باہم فرق کیسے کیا جائے گا؟ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ واجب ہونے کے باوجود اس کا رخصت نام رکھا جانا اس حیثیت سے ہے کہ اس میں سہولت ہے۔ کیوں کہ انسان کو پیاس کی وجہ سے اپنی جان کو ہلاک کر دینے کا مکلف نہیں بنایا گیا ہے، اور اسے اس کی اجازت دی گئی ہے کہ شراب کے ذریعہ اپنی جان بچائے اور شراب پینے پر شریعت میں جو سزا مقرر ہے وہ معاف کر دی گئی ہے۔ مگر اس کے ترک میں سزا واجب ہونے کی حیثیت سے عزیمت ہے" (ص ۱/ ۹۹)۔

دوسری تقسیم: حقیقت اور مجاز کے لحاظ سے

احناف نے رخصت کی دو قسمیں بیان کی ہیں: (۱) رخصت حقیقی (۲) رخصت مجازی۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ذکر کی ہیں۔ اس طرح سے رخصت کی چار قسمیں ہو گئی ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ تقسیم رائج اور مشہور ہے۔ حافظ الدین نسفی "المنار" اور اس کی شرح "کشف الاسرار" میں فرماتے ہیں: "رخصت کی چار قسمیں ہیں، دو قسمیں حقیقت کی ہیں جن میں سے ایک دوسرے سے مقدم ہے، اور دو قسمیں مجاز کی ہیں جن میں سے ایک دوسرے سے زیادہ کامل ہے۔ حقیقت کی دو قسموں میں سے مقدم وہ قسم ہے جو سبب حرمت اور اس کے حکم کے پائے جانے کے باوجود مباح ہے۔ مثلاً وہ شخص جسے کفریہ کلمہ کہنے پر مجبور کیا جائے، اور وہ شخص جسے رمضان میں افطار پر اور احرام کی حالت میں ممنوعات احرام میں سے کسی کام کے کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسی طرح مضطر کے لیے غیر کا مال کھانا۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ عزیمت پر عمل کرنا افضل ہے، یہاں تک کہ اگر اس نے شریعت کی دی ہوئی رخصت پر عمل نہیں کیا اور عزیمت پر قائم

رہا جس کی وجہ سے وہ قتل کر دیا گیا تو شہید ہو گا....."

دوسری قسم وہ احکام ہیں جو اسباب کے پائے جانے کے باوجود مباح ہیں مگر ان اسباب کے احکام موخر کر دیے گئے ہیں۔ مثلاً مسافر کے روزہ نہ رکھنے کی رخصت کی وجہ سے عزیمت پر عمل کرنا یعنی روزہ رکھنا اولیٰ ہے۔ تو اس صورت میں عزیمت کے اندر ایک حیثیت سے رخصت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ الا یہ کہ روزہ مریض اور مسافر کو کمزور کر دے (تو ایسی صورت میں رخصت پر عمل کرتے ہوئے افطار کرنا افضل ہو گا)۔ اور مجازی کی دونوں قسموں میں سے جو زیادہ کامل ہے اس کے ذیل میں وہ تحت احکام آتے ہیں، جو پچھلی امتوں پر عائد کیے گئے تھے اور اس امت سے ساقط کر دیے گئے۔ اس قسم کے احکام پر مجازاً رخصت کا اطلاق ہوتا ہے کیوں کہ اب اصل حکم مشروع نہیں رہا۔ اور چوتھی قسم وہ احکام ہیں جو فی الجملہ مشروع ہونے کے باوجود بندوں سے ساقط کیے گئے ہوں، مثلاً سفر میں نماز کا قصر کرنا، [مکروہ اور مضطر سے شراب اور مردار کے کھانے کی حرمت کا ساقط ہونا]

واضح رہے کہ چوتھی قسم میں وہ احکام ہیں جو عام انسانوں کے حق میں واجب ہونے کے باوجود مخصوص انسانوں کے حق میں ان کے اسباب کے موجب احکام باقی نہ رہنے کی وجہ سے ساقط ہو گئے ہیں۔ تو اس لحاظ سے کہ وہ احکام ان انسانوں سے کلی طور پر ساقط ہو گئے وہ مجاز ہوئے اور اس حیثیت سے کہ وہ احکام دوسرے کے حق میں فی الجملہ مشروع ہیں رخصت کی حقیقت کے مشابہ ہیں۔ اس کی مثال حالت سفر میں قصر کرنا ہے کہ قصر کی صورت میں اصل فریضہ جو چار رکعت ہے، ساقط ہو کر صرف دو رکعت باقی رہ جاتا ہے۔

احکام شرعیہ کے لحاظ سے رخصت کی کوئی تقسیم احناف کے نزدیک نہیں پائی جاتی ہے، بلکہ وہ رخصت کے احکام کو اس تقسیم رباعی کے ضمن میں ذکر کرتے ہیں جو ان کے نزدیک معروف و مروج ہے۔

رخصت کی تیسری تقسیم باعتبار کمال و نقصان

کامل اور ناقص ہونے کے لحاظ سے، بعض مسائل میں جب شریعت رخصت دیتی ہے، اور ان کے چھوڑنے کو مباح قرار دیتی ہے، دوسرے وقت میں ان کی قضا لازم قرار نہیں دیتی۔ یہ شریعت کی جانب سے مکمل معاف ہے۔ مثلاً پانی کے دستیاب نہ ہونے کی صورت میں وہ وضو نہ کرنے کو مباح قرار دیتی ہے اور تیمم کا حکم دیتی ہے، تو وضو کی فرضیت سرے سے ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف جب رمضان کے مہینہ میں مریض اور مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دیتی ہے، اور افطار کو مباح قرار دیتی ہے، تو اس صورت میں روزوں کی فرضیت مکمل طور پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ دوسرے دنوں میں قضا کا وجوب باقی رہتا ہے۔ وہ رخصت جس میں کوئی چیز ذمہ میں باقی نہیں رہتی وہ رخصت

کاملہ ہے' اس کی مثال موزوں پر مسح کرنا اور تیمم کرنا ہے۔ اور وہ رخصت جس کے ساتھ کوئی چیز ذمہ میں باقی رہتی ہے' مثلاً سفر اور مرض کی حالت میں افطار کی رخصت' تو یہ رخصت ناقصہ ہے۔ (البحر المحیط)۔

چوتھی تقسیم: سبب رخصت کے اختیاری یا اضطراری ہونے کے اعتبار سے:
زرکشی کہتے ہیں کہ رخصت کا سبب کبھی اختیاری ہوتا ہے' مثلاً سفر' اور کبھی اضطراری' مثلاً لقمہ کا حلق میں اٹک جانا جس کی بنا پر شراب پینا جائز ہو جاتا ہے۔

پانچویں تقسیم: تخفیفات کے اعتبار سے: رخصت کی ایک پانچویں تقسیم ہے جسے ابن نجیم نے "تخفیفات" سے تعبیر کیا ہے' چنانچہ وہ کہتے ہیں:
"شریعت کے احکام میں تخفیف کی بہت سی اقسام ہیں' جنھیں ہم شرعی رخصتوں کے احکام کہہ سکتے ہیں"۔

۱۔ ساقط کرنا: مثلاً عذر پائے جانے کی صورت میں عبادات کا ساقط کیا جانا۔

۲۔ کم کرنا: مثلاً سفر میں قصر کرنا اس قول کی بنیاد پر کہ پوری نماز اصل ہے۔

۳۔ بدل دینا: مثلاً وضو اور غسل کی جگہ تیمم کرنا' اور نماز میں بیٹھنے اور لیٹنے کے ذریعہ قیام کی ادائگی' اسی طرح اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرنا اور روزہ کے بدلے کھانا کھلانا۔

۴۔ پہلے کرنا: مثلاً عرفہ میں ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھنا' سال پورا ہونے سے قبل زکوۃ کی ادائگی اور رمضان میں صدقہ فطر کی ادائگی۔

۵۔ تاخیر کرنا: مثلاً مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھنا' مریض اور مسافر کے لیے رمضان کے روزہ کا موخر کیا جانا' اس شخص کے حق میں نماز کا اپنے وقت سے موخر کیا جانا جو کسی ڈوبنے والے وغیرہ کو نکالنے میں مشغول ہو۔

۶۔ ہلکا کرنا: مثلاً پتھر کے ذریعہ استنجا کرنے والے کا جسم پر باقی ماندہ نجاست کے ساتھ نماز پڑھنا' اور اٹکے ہوئے لقمہ کو شراب کے ذریعہ اتارنا۔

۷۔ تغیر کرنا: مثلاً خوف کی وجہ سے نماز کے طریقے کو بدلنا۔ (الاشباہ و النظائر)

(تلخیص و تسہیل: خ۔ م۔ ماخوذ: مجلہ بحث و نظر' دہلی' اکتوبر دسمبر' ۱۹۹۴)

حضرت معاذ بن جبل روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی وصیت کی۔

آپ ؐ نے فرمایا:

☆ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، چاہے تجھے قتل کیا جائے، یا جلایا جائے۔

☆ ماں باپ کی نافرمانی نہ کرنا، خواہ وہ تجھے عاق کر دیں اور گھر سے نکال دیں۔

☆ فرض نماز کو ترک نہ کرنا کیونکہ جس نے فرض نماز قصداً چھوڑی، تو اللہ اس سے بری الذمہ ہے۔

☆ شراب نہ پینا کیونکہ یہ تمام فحش کاموں کی بنیاد ہے۔

☆ گناہ سے بچتے رہنا کیونکہ اس سے اللہ کی ناراضگی نازل ہوتی ہے۔

☆ میدان جہاد سے فرار نہ ہونا، چاہے لوگ قتل ہو رہے ہوں۔

☆ جب لوگ مرنے لگیں اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں ٹھہرے رہو

☆ اپنی اولاد پر استطاعت کے مطابق خرچ کرو،

☆ ان کو ادب سکھانے کے لیے عصا رکھو،

اور---ان کو اللہ سے ڈراؤ۔ (مشکوۃ شریف بحوالہ مسند احمد)

(اشتہار)

آنکھوں کی سوئیاں

سید ابوالحسن علی ندوی

بعض کہانیاں اپنے اندر بڑی بڑی حقیقتیں رکھتی ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے بڑے بڑے فلسفوں کے عام فہم اور دلچسپ ترجمے کر دیے گئے ہیں یا خشک حقیقتوں کو چلتی پھرتی زندگی میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ہم ان چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی مدد سے زندگی کے بہت سے حقائق سمجھ سکتے ہیں۔

بچپن میں ہم نے جو کہانیاں سنی تھیں' اور دماغ کی سلوٹوں میں کہیں چھپی ہوئی رہ گئیں' ان میں سے کوئی ایسی کہانی بھی تھی جس میں کسی مظلوم عورت کی داستان درد بیان کی گئی تھی۔اس کے سارے جسم میں سوئیاں چبھی ہوئی تھیں۔اس کی دشمن سارے دن اس کی سوئیاں نکالتی تھی' لیکن آنکھوں کی سوئیاں قصداً چھوڑ دیتی تھی' اور رات ہو جاتی تھی۔دوسرے دن پھر نئی سوئیاں چبھ جاتی تھیں' وہ پھر سوئیاں نکالتی تھی' لیکن آنکھوں کی سوئیاں چھوڑ دیتی تھی۔ہم کو کہانی کے صرف اتنے ہی حصہ سے غرض ہے۔

مظلوم انسانیت کے ساتھ زمانہ دراز سے یہی معاملہ درپیش ہے۔اس کا سارا جسم سوئیوں سے چھلنی ہو رہا ہے۔کچھ ہمدرد ہاتھ اس کی یہ سوئیاں نکالنے کے لیے بڑھتے ہیں' لیکن ہر مرتبہ آنکھوں کی سوئیاں چھوڑ دیتے ہیں اور اس کی نجات کا کام ناتمام رہ جاتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے روز وہ اسی طرح زخمی اور مبتلا نظر آتی ہے' اور از سر نو محنت کرنی پڑتی ہے۔

انسانیت ایک مکمل انسانی جسم اور وجود کی مانند ہے۔اس کے ساتھ جسم بھی ہے' پیٹ بھی ہے' دل بھی ہے' دماغ بھی ہے' روح بھی ہے۔ان تمام حصوں کے ساتھ کچھ مصائب اور آلام بھی ہیں۔یہ اس کے جسم کی سوئیاں ہیں جو اس کو زار و نزار کیے ہوئے ہیں۔

بھوک' فاقہ' اچھی اور صحیح غذا کا نہ ملنا' یہ پیٹ کی سوئیاں ہیں۔یقیناً ان سے انسانیت کو تکلیف اور دکھ پہنچتا ہے۔عالم انسانیت کی یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے اور زندگی کا یہ بڑا شرمناک پہلو ہے کہ' قدرت کی فیاضیوں اور غذائی سامان کی پوری فراوانی کے باوجود' چند انسانوں کے ناجائز تصرف یا کسی

نظام سلطنت کے جابرانہ طرزِعمل سے انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو پیٹ بھر روٹی میسر نہ ہو' اور وہ اپنے فطری حق اور ضروری سامان زندگی سے محروم رہے۔ اس پر غم و غصہ' اضطراب و احتجاج' اس صورت حال کے خلاف جدوجہد' ایک قدرتی امر اور صحیح انسانی احساس ہے' جس پر تعجب یا ملامت کا کوئی موقع نہیں۔

انسان جسم رکھتا ہے اس جسم کو ٹھنڈک اور گرمی کا احساس دیا گیا ہے' اور لباس کی طلب بخشی گئی ہے۔ اس طلب کو پورا کرنے کے لیے زمین پر پورے انصاف اور ضرورت کے مطابق لباس پیدا کرنے والی چیزیں اور لباس تیار کرنے والے ہاتھ پیدا کیے گئے ہیں۔ پھر بڑی بے انصافی ہے کہ چند آدمیوں کے زائد لباس استعمال کرنے' یا بکسوں میں بند کر کے رکھنے' یا بے جان دیواروں کو جان دار انسانوں کے کام آنے والا کپڑا اڑھانے کی وجہ سے انسان سردی سے ٹھٹھر کر مرجائیں' یا ان کو ستر پوشی کے لیے بھی کپڑا نہ ملے۔

انسان دل رکھتا ہے۔ اس کی کچھ جائز خواہشات ہیں' ان کا نہ پورا ہونا بڑی زیادتی اور ظلم ہے۔ وہ دماغ رکھتا ہے۔ اس کا علم سے محروم اور دماغی ترقی اور صحیح قوت فکر سے دور رہنا' ناانصافی اور نظام زندگی کا نقص ہے۔ اس نقص کو دور کرنا ایک حساس انسان اور ایک صحیح الاحساس جماعت کا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے۔

انسانی تہذیب و تمدن کو پھلنے پھولنے اور انسانوں کی روحانی' ذہنی اور جسمانی طاقتوں کو متوازن نشوونما حاصل کرنے کے بہترین مواقع جب حاصل ہوتے ہیں۔ جب ان کے راستہ میں کوئی جابر قوت حائل نہ ہو۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ جب غیرملکی حکومت وسائل زندگی پر قبضہ کر لیتی ہے' اور ان کی تقسیم کا کام اپنے غیرہمدرد اور ناانصاف ہاتھوں میں لے لیتی ہے تو اس کے اقتدار میں محکوم قوم کے جائز جذبات بھی افسردہ اور اس کی ذہانت کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے وطن میں جیل کے قیدیوں کی طرح زندگی گزارتی ہے۔ اس لیے غلامی بھی انسانیت کے لیے ایک بڑی مصیبت اور بلائے جان ہے' اور اس کا دور کرنا زندگی کے حقیقی لطف سے متمتع ہونے کے لیے شرط ہے۔

اس لیے بلاشبہ فاقہ کشی' عریانی' مجبوری' جہالت اور محکومی' وہ سوئیاں ہیں جو انسانیت کے جسم کو برماتی رہتی ہیں۔ ان کا دور کرنا ایک بڑی انسانی خدمت ہے۔

لیکن کیا اس دکھی انسانیت کے سارے دکھ اور روگ یہی ہیں' اور یہی اس کے جسم کی سوئیاں ہیں؟ ان سوئیوں کے نکلتے ہی اس کو دل کا سکون' جسم کا آرام اور سکھ کی نیند نصیب ہو جائے گی' اس کی آنکھ کی کھٹک اور دل کی خلش دور ہو جائے گی؟ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانیت کی مصیبت اسی پر ختم نہیں ہوتی کہ ہر شخص کو پیٹ بھر کر روٹی' ضرورت بھر کا کپڑا' جائز خواہشات کی تکمیل کا سامان اور تعلیم کے

مواقع حاصل ہو جائیں ۔ اس کے جسم میں کچھ اور بھی زہر کی بجھی ہوئی سوئیاں ہیں جو اس کو اندر اندر گھلاتی رہتی ہیں ۔ اور ایسی سوسائٹی بھی جس کو زندگی میں اپنی منہ مانگی مراد مل چکی ہو ان زہر کی بجھی ہوئی سوئیوں کی وجہ سے ہروقت کراہتی ، تڑپتی اور اندر اندر سے گھلتی رہتی ہے ۔

انسان اس پر بس نہیں کرتا کہ اس کو پیٹ بھر کر کھانا اور اپنی اور اپنے بچوں کی ضرورت کا سامان زندگی حاصل ہو گیا ہے ۔ اس کے اندر اس فطری پیٹ کے علاوہ ایک اور مصنوعی پیٹ پیدا ہو جاتا ہے ۔ وہ حرص و ہوس کا پیٹ ہے ، جو جہنم کی طرح ھل من مزید (کچھ اور ہے) ہی پکارتا رہتا ہے ۔ اس کو روپیہ سے ، صرف اسی لیے نہیں کہ وہ ضروریات زندگی کے حصول کا ایک ذریعہ ہے ، بلکہ بغیر کسی مقصد کے ذاتی محبت و عشق ہو جاتا ہے ، اور کوئی بڑی سے بڑی مقدار اسے تسکین نہیں دے سکتی ۔ دولت کے اس ذاتی عشق کی وجہ سے وہ ہر مجرمانہ فعل کا بے تکلف ارتکاب کرتا ہے ۔ رشوت ستانی ، چوربازاری ، نفع اندوزی اس ذہنیت اور مزاج کے ادنیٰ کرشمے ہیں ۔

اگر دنیا کی اخلاقی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے ، اور تعصبات سے الگ ہو کر بدنظمیوں ، بے عنوانیوں ، اور قومی زندگی کے مشکلات کے حقیقی اسباب تلاش کیے جائیں ، تو ان کی تہ میں جائز انسانی خواہشات اور حقیقی ضرورت کا ہاتھ کم ملے گا ۔ ان کی تہ میں عموماً ناجائز خواہشات اور فرضی ضروریات نکلیں گی ۔ انہی ناجائز خواہشات اور فرضی ضروریات نے ہر زمانے میں قومی زندگی میں نئی نئی الجھنیں اور ہر نظام حکومت کے لیے مشکلات پیدا کی ہیں ۔ انہیں فرضی ضروریات نے لوگوں کو مظالم ، بددیانتی ، غبن ، استحصال بالجبر ، رشوت خوری ، سٹہ بازی ، ذخیرہ اندوزی ، فریب دہی پر آمادہ کیا ۔ اور انہی کے اثر سے پورے پورے ملک اور بڑی بڑی حکومتیں "اندھیر نگری چوپٹ راج" بن کر رہ گئیں ۔

آج بھی اگر موجودہ مشکلات اور شکایات کی تحقیق کی جائے تو صاف نظر آئے گا کہ موجودہ پریشانی اور بے اطمینانی کا سبب صرف یہ نہیں ہے کہ ملک کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد یا اکثریت کو ضروریات زندگی میسر نہیں ، اور اس کی جائز خواہشات پوری نہیں ہوتیں ، اور اس ملک میں بھوکوں اور ننگوں کی زیادتی ہے ۔ انصاف سے اگر دیکھا جائے ، تو ان بھوکوں اور ننگوں نے کسی کی عافیت تنگ نہیں کی ہے ، عافیت ان لوگوں نے تنگ کی ہے جن کے پیٹ بھرے ہوئے ہیں ، لیکن ان کا دل دولت سے کسی طرح نہیں بھرتا ۔ حقیقی ضروریات کا نام بدنام ہے ، مگر ان کی فہرست کچھ طویل نہیں ۔ ساری خرابی فرضی ضروریات نے پیدا کی ہے ، جن کی فہرست ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے اور کبھی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ پورے محلہ اور کبھی پورے شہر کی دولت ایک فرد کے لیے کافی نہیں ہوتی ۔

آج یہ ہوش ربا گرانی ، اشیاء کی نایابی اور افراط زر کیوں ہے ؟ کیا اس لیے کہ اہل ملک کی اکثریت بھوکی اور ننگی ہے ؟ ظاہر ہے کہ یہ صرف اس لیے ہے کہ دولت کی ہوس بہت بڑھ گئی ہے ، زیادہ اور

جلد سے جلد دولت مند بننے کا شوق جنون کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ قناعت زندگی سے مفقود ہو چکی ہے۔ فخر، ریاکاری، جاہ طلبی، نمائش، شہرت کے ضمیر میں داخل ہو چکی ہے۔

آج جس چیز نے زندگی کو عذاب اور دنیا کو دارالعذاب بنا رکھا ہے، اور جس سے ہر موڑ پر سابقہ ہے، وہ بڑھتی ہوئی رشوت ستانی، چور بازاری اور ظالمانہ نفع خوری ہے۔ لیکن کیا ان جرائم کا ارتکاب بھوک، فاقہ کشی اور برہنگی کی مجبوری سے کیا جاتا ہے؟ یہ تو اسی طبقہ کی حرکات ہیں جس کو اپنی خوراک سے زیادہ غذا، اپنے حصہ سے زائد کپڑا اور اپنی ضرورت سے فاضل سامان زندگی حاصل ہے۔ ہزاروں مجرمین میں ایک بھی نان شبینہ کا محتاج اور سردی سے ٹھٹھرنے والا انسان نہیں ملے گا۔ یہ متوسط اور دولت مند طبقہ کے اعمال ہیں، جس کے پاس ضروریات زندگی میں سے کوئی چیز کم اور ارتکاب جرم کے لیے کوئی مجبوری نہیں ہے۔

حقیقت میں انسانوں کی فطری اور واجبی ضروریات کا معاملہ کچھ مشکل نہیں۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک ملک میں ہر شخص کو پیٹ بھر کر کھانا، ضرورت کا کپڑا اور سامان زندگی میسر ہو جائے۔ لیکن کیا دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی حکومت اور بہتر سے بہتر نظام کسی مختصر سے مختصر آبادی کے لیے بھی اس کی فرضی ضروریات مہیا کر سکتا ہے؟ کیا وہ کسی ایک انسان کے بھی مصنوعی پیٹ کو بھر سکتا ہے جس کی جھوٹی بھوک سارے انسانوں کا رزق کھا کر بھی نہیں مٹتی؟ پھر جب سوال حقیقی ضروریات کا نہیں بلکہ فرضی ضروریات کا ہے، اور مرض سچی بھوک نہیں بلکہ جھوٹی بھوک ہے، تو کوئی ایسا معاشی فلسفہ یا اقتصادی نظام جو سوسائٹی کے ضمیر کو نہیں بدلتا، جو صرف انسانوں کے پیٹ بھرنے اور ان کا تن ڈھکنے کی ذمہ داری لیتا ہے، اور جو مادی احساس میں اعتدال پیدا کرنے کے بجائے اشتعال پیدا کرتا ہے، کیا کسی سوسائٹی کو بھی اندرونی طور پر مطمئن کر سکتا ہے اور زندگی کو موجودہ مشکلات سے نجات دے سکتا ہے؟

غور سے دیکھا جائے تو رشوت ستانی، چور بازاری، حد سے زیادہ نفع خوری اور اخلاقی جرائم اصل پیچیدگیاں نہیں ہیں۔ اصل پیچیدگی وہ ذہنیت اور مزاج ہے جو ان بداخلاقیوں اور بے اصولیوں پر آمادہ کرتا ہے۔ جب تک اس مزاج میں تبدیلی نہ ہو ان خرابیوں کا مستقل سدباب نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک دروازہ بند کیا جائے گا تو دس دروازے کھل جائیں گے۔ انسانی ذہن اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بہت سے چور دروازے رکھتا ہے۔ اگر اس میں کوئی گہری تبدیلی نہ ہو تو اس کا راستہ روک کر کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔ اس کو اپنی مطلب برآری کے لیے بہت سی تدبیریں اور حیلے آتے ہیں، وہ ان سے اپنا مطلب نکال لے گا۔

موجودہ زندگی کی اصل خرابی یہ ہے کہ پوری سوسائٹی کا ضمیر خود غرض اور مطلب پرست بن گیا ہے۔ اس کا ایک فرد اپنی غرض کے لیے بے تکلف بڑی سے بڑی بے اصولی کا ارتکاب کر لیتا ہے۔

اگر وہ کسی شعبہ کا امین بنایا جاتا ہے تو اس کو خیانت میں باک نہیں۔ اگر کسی قومی ادارہ کا رکن منتخب ہوتا ہے، تو اس کو اپنے حقیر فائدہ کے لیے بڑے سے بڑے قومی و جماعتی فوائد کو پامال کرنے اور دوسروں کا گھر اجاڑ کر اپنا گھر آباد کرنے میں عذر نہیں۔ اگر وہ ماتحت ہے، تو کام چور، سست کار اور احسان فراموش سے عاری ہے۔ وہ اپنے کسی متوقع فائدہ یا کسی ذاتی رنجش کی بنا پر ایک منٹ کے کام میں باآسانی ایک مہینہ لگا سکتا ہے، اور آسان سے آسان معاملہ کو برسوں الجھا سکتا ہے، اور اس طرح سے اپنے ذاتی فوائد کے لیے نظام حکومت کو ناکام یا بدنام کر سکتا ہے۔ اگر وہ صاحب اختیار ہے تو اعزہ نوازی، احباب پروری، بے جا پاس داری اور شخصی یا خاندانی فوائد کی بنا پر صریح بے اصولی کا ارتکاب کر کے ملک و قوم کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اگر تاجر ہے تو دولت میں غیر ضروری اضافہ کرنے کے لیے چور بازاری اور ناجائز نفع خوری کر کے لاکھوں غریبوں کو پیٹ کی مار مارتا ہے، اور دانہ دانہ کو ترساتا ہے۔ اگر وہ روپیہ کا کاروبار کرتا ہے، تو سود خواری اور مہاجنی کے ذریعہ صدہا غریبوں کا بال بال قرض میں جکڑ دیتا ہے اور ان کو پیسہ پیسہ کا محتاج بنا دیتا ہے۔

افراد سے بڑھ کر جماعتوں اور پوری پوری قوموں پر خود مطلبی اور خود غرضی کا شیطان مسلط ہو گیا ہے۔ سیاسی جماعتیں جماعتی خود غرضی اور خود بینی میں مبتلا ہیں۔ یورپ اور امریکہ کی جمہوریتوں پر قومی خود غرضی کا بھوت سوار ہے، جس کے پاؤں کے نیچے چھوٹی اور کمزور قومیں سبزہ کی طرح پامال ہوتی رہتی ہیں۔ اسی قومی خود غرضی نے ساری دنیا کو تجارت کی منڈی یا لوہار کی بھٹی بنا رکھا ہے، اور ساری زمین کو ایک وسیع میدان جنگ میں تبدیل کر دیا ہے۔ اسی قومی خود غرضی کی خاطر بڑی سے بڑی بے اصولی اور بے آئینی روا ہے۔ اسی کے ادنیٰ اشارے پر لاکھوں بے گناہ انسانوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، جیسے بکریوں کی طرح ایک قوم کو دوسری قوم کے ہاتھ بیچ ڈالا جاتا ہے، متحد ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاتے ہیں۔ یورپ کی اسی قومی خود غرضی نے پہلے عربوں کو ترکوں کے خلاف ابھارا اور "وفاقی عرب سلطنت" کا خواب دکھایا۔ پھر اسی خود غرضی نے شام جیسے چھوٹے ملک میں چار مستقل حکومتیں قائم کیں۔ پھر اسی نے یہودیوں کو "وطن الیہود" کا سبز باغ دکھایا۔ آج بھی فلسطین میں جو کچھ ہو رہا ہے اور اس کی گتھی جس طرح الجھتی جا رہی ہے، وہ محض امریکہ، برطانیہ اور روس کی قومی خود غرضی کا نتیجہ ہے۔

پھر اس خود غرضی نے ساری دنیا میں اور ملک کے تمام طبقوں میں ایک مخصوص مزاج پیدا کر دیا ہے۔ اس مزاج کا خاصہ ہے کہ انسان اپنے حقوق کے مطالبہ میں بڑا مستعد ہے اور فرائض و حقوق کے ادا کرنے میں سخت کوتاہ اور حیلہ جو۔ اس ذہنیت اور سیرت نے ساری دنیا میں انفرادی، جماعتی اور طبقاتی کشمکش برپا کر دی ہے۔ ہر شخص اپنا حق مانگتا ہے اور دوسرے کا حق ادا کرنے سے گریز کرتا ہے۔

اگر دنیا پر نظر ڈالی جائے تو ساری دنیا حقوق طلبی کی ایک آبادی نظر آئے گی جس میں حق طلبی کا نعرہ تو ہر زبان پر ہے لیکن ادائے فرض کا احساس کسی دل میں نہیں۔ جس آبادی میں ہر شخص حق طلب ہو لیکن فرض شناس کوئی نہ ہو وہاں کی زندگی کی الجھنوں اور دقتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وہاں کی خلش کو کوئی انسانی تدبیر و تنظیم دور نہیں کر سکتی۔

ہم اس خود غرضی پر خواہ کتنے ہی چیں بہ جبیں ہوں اور اس سے ہمیں خواہ اپنی روز مرہ کی زندگی میں خواہ کتنی مشکلات پیش آئیں، یہ سب بالکل ایک قدرتی چیز ہے۔ جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں، اس مادی زندگی کی لذتوں اور فائدوں کے سوا کسی اور حقیقت کا کوئی وجود نہیں، اور ہمارا سارا ادب، فلسفہ اور پورا ماحول اسی کی تلقین کرتا ہو، اسی محور کے گرد گردش کر رہا ہو، زندگی بعد موت کا ہر تصور ختم ہو چکا ہو، اخلاقی قدروں اور زندگی کی دوسری بلند اور لطیف تر حقیقتوں نے خالص مادی و جسمانی احساسات کے لیے جگہ خالی کر دی ہو، پیٹ اور جسم نے پھیل کر ساری زندگی کو گھیر لیا ہو اور تمام دوسری حقیقتوں کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا ہو، وہاں انسان خود غرض کیوں نہ ہو؟ اور وہ اس آج کی زندگی کی لذتوں کو کس دن کے لیے اٹھا رکھے، اور اس زندگی سے لطف اندوزی میں کس لیے تحمل اور احتیاط سے کام لے جس کے بعد کوئی زندگی نہیں؟ پھر جب اس کو کسی بالاتر نگرانی اور کسی قادر و توانا ذات اور کسی سب دیکھنے والی اور سب جاننے والی ہستی کا بھی اعتقاد اور خوف نہ ہو، تو وہ ان اغراض کے حصول کے لیے جو اس کی زندگی میں خوش حالی یا لذت و لطف پیدا کرسکیں، ان اسباب و ذرائع کے اختیار کرنے میں کیوں پس و پیش سے کام لے جو اس کے لیے کسی وقت بھی ممکن ہو سکیں؟

اور پھر جب انسان نے زندگی کو ایک قوم اور ایک وطن کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے، اور ہر ایسے تصور اور ہمدردی کو ذہن سے نکال دیا ہے جس کا دائرہ ایک قوم یا وطن سے زیادہ وسیع ہو، اور ہر اس چیز کو راستے سے ہٹا دیا ہے جو انسانیت کا وسیع تر تصور اور زندگی کا غیر فانی تخیل پیش کرتی ہو، تو انسان کی فطری خود غرضی، قومی اور وطنی خود غرضی کی سطح سے کس طرح بلند ہو سکتی ہے؟ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کسی جائز و ناجائز فعل کے ارتکاب سے کس طرح احتیاط کر سکتی ہے؟

یہ خود غرضی اور مطلب پرستی موجودہ نظام معاشرت و سیاست کا مزمن روگ ہے۔ جب تک اس کا ازالہ نہ ہو، ظاہری انتظامات، اصلاحات و ترقیات کچھ زیادہ نتیجہ خیز نہیں۔ سیاسی طور پر ملک آزاد و خود مختار ہو یا غیر ملکی حکومت کے ماتحت، جب تک ہماری سوسائٹی پر خود غرضی مسلط ہے، دولت و عزت کا عشق ملک کے تمام افراد پر چھایا ہوا ہے، ذمہ داری کا احساس افراد کے دلوں سے نکل چکا ہے اور معاشرہ کا قلبی رجحان زیادہ سے زیادہ لطف اندوزی، فرضی ضروریات کے حصول، اور خواہشات نفس

کی تکمیل کی طرف ہے' عملاً وہ سوسائٹی زندگی کی حقیقی مسرتوں اور آزادی کے عملی نتائج سے محروم رہے گی۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ سوسائٹی پر ایک غیر طبعی فربہی چھا رہی ہے۔ وہ اپنی ظاہری آرائش میں بھی ترقی کر رہی ہے' فاقہ کشی اور عریانی کا تناسب بھی کم ہو رہا ہے' اور بعض ملکوں میں معاشی ناانصافی کا خاتمہ بھی ہو گیا ہے' تعلیم عام ہو رہی ہے' نئے نئے شعبوں کی کثرت ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سوسائٹی کو اندر سے روگ لگ چکا ہے' جو اندر اندر اس کو کھلا رہا ہے۔ جب دلوں میں ناانصافی گھر کر گئی ہو' تو جب تک ناانصافی اور ظلم کی طرف رجحان اور خود غرضی کا بیج نہ نکالا جائے' کوئی تمدنی نظام ظلم و ناانصافی اور بددیانتی سے پاک نہیں ہو سکتا۔

دنیا میں حال میں جن ممالک کو نئی نئی آزادی حاصل ہوئی ہے' وہ بھی اس حقیقت کو نظرانداز کر رہے ہیں کہ ملک کی خوشحالی اور قوم کی ترقی صرف زندگی کی ظاہری تنظیمات اور وسائل کے حصول میں نہیں ہے' بلکہ ان مقاصد کی صحت میں ہے جن کے لیے یہ وسائل استعمال ہوتے ہیں' رجحان کی درستی اور انصاف و ہمدردی کے قلبی جذبات میں ہے' اور یہ چیزیں کسی مشینی طریقہ اور سیاسی تنظیم سے نہیں پیدا ہوتیں۔ اگر یہ کسی مشینی طریقہ یا کسی نظام سے پیدا ہو سکتیں' اور وسائل زندگی کی فراہمی اور ملک کی ظاہری تنظیم' خوش حالی' امن و اطمینان اور قلبی سکون کی ضامن ہوتی' تو یورپ و امریکہ کی مستحکم و منظم سلطنتیں امن و سکون کا گہوارہ ہوتیں اور وہ ممالک جنت نظیر ہوتے۔ مگر سب جانتے ہیں کہ ان ممالک کو حقیقی اطمینان نصیب نہیں' وہاں کی اندرونی الجھنیں کوئی چھپا ڈھکا واقعہ نہیں۔

مقاصد کی صحت' رجحان کی درستی اور انصاف و ہمدردی کے قلبی جذبات کا سرچشمہ ایک صحیح و طاقتور اخلاقی و روحانی مذہب ہی ہے' جو انسان کے جسم کے ساتھ اس کے دل پر بھی حکومت کرے' جو اس کی خواہشات کو اپنے ضبط و نظم میں رکھے' جو اپنی روحانی طاقت سے اس سے بنی نوع کے حق میں ایثار و قربانی کرا سکے' جو اس محدود و مختصر زندگی کے علاوہ کسی غیرفانی زندگی کو اس کی نگاہ میں اس طرح حقیقت بنا سکے کہ اس کے شوق میں آدمی اس زندگی میں اعتدال و احتیاط سے کام لے' جو اس کے سامنے کھانے پینے' پہننے اوڑھنے' دولت و عزت حاصل کرنے' اور حیوانی تقاضوں کو انسانی عقل و ہنرمندی سے پورا کرنے کے علاوہ انسانیت اور زندگی کے کچھ اور معانی بتلا سکے' اور انسان کی زندگی کے کچھ زیادہ بلند مقاصد انسان کے سامنے لا سکے۔ ایسے ہی مذہب کی صحیح تعلیم اس خود غرضی اور کوتاہ نظری کو زائل کر سکتی ہے جس سے ہمارا موجودہ نظام معاشرت و سیاست داغ داغ ہو رہا ہے۔

مبارک ہیں وہ ہاتھ جو مظلوم انسانیت کے جسم کی سوئیوں کو نکالنے کے لیے بڑھیں۔ مگر یاد رہے کہ آنکھوں کی سوئیاں نکالے بغیر اس کو سکھ کی نیند اور دل کا چین حاصل نہیں ہو سکتا۔ ملک سے فاقہ

کشی ' برہنگی اور افلاس کو دور کرنا' معاشی ناانصافیوں کا خاتمہ کرنا اور ہر شخص کے لیے ضروری وسائل زندگی کا مہیا کرنا نہایت مبارک کام ہے ' اور جو لوگ اس میں حصہ لیں وہ انسانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ لیکن ان کو اپنے کام کو بالکل ادھورا اور ناقص سمجھنا چاہیے ' جب تک انسانیت کے دل کی پھانس اور آنکھ کی کھٹک دور نہ ہو ' اس کا ضمیر خدا ترس اور پاک باز نہ ہو جائے ' اس میں ذمہ داری کا احساس نہ پیدا ہو جائے ' اس کی نظر شکم پروری اور تن پروری سے بلند ہو کر بنی نوع انسان کے عام فائدوں پر نہ ہو ' اس میں وسعت نظر اور عالی حوصلگی نہ پیدا ہو جائے ' وہ ضروریات زندگی اور فضولیات زندگی میں فرق نہ کر سکے ' اور اس کو ایک دوسرے کے ساتھ انصاف کرنے ' حتیٰ کہ اپنے نفس کے خلاف کرنے میں بھی دقت نہ ہو۔

کئی بار اس جسم کی سوئیاں نکالنے کے لیے انسانیت کے ہمدرد ہاتھ بڑھے ' لیکن ہر بار انھوں نے آنکھوں کی سوئیاں چھوڑ دیں اور رات ہو گئی۔ کسی ملک کو اس کے فرزندوں نے اپنی قربانیوں اور بہادری سے آزادی دلائی ' کہیں ارادے کے پکے انسانوں نے جابر شخصی سلطنتوں کا تختہ الٹ کر ملک میں جمہوری نظام اور عوامی حکومت قائم کی ' لیکن دل کی پھانس دل کے دل ہی میں رہ گئی۔ ملک کا نظم و نسق کرنے والے بدل گئے ' مگر نظم و نسق کا طریقہ اور حکومت کی روح اور اس کا مزاج نہ بدلا۔ کئی ملکوں میں معاشی انقلاب کی جدوجہد جاری ہے ' لیکن لوگ پیٹ کی سوئیاں دیکھ رہے ہیں اور آنکھوں کی سوئیوں کی طرف سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں۔ انسانیت فریاد کر رہی ہے کہ رات آنے سے پہلے جسم کی سوئیوں کے ساتھ آنکھوں کی سوئیاں بھی نکال دی جائیں ' تاکہ اس کو حقیقی سکون ' دیرپا راحت اور متوازن زندگی حاصل ہو۔

دنیا بھر کی خواتین کے نام

ترجمہ : عارفہ اقبال

ملت اسلامیہ کے چھ ممتاز زعما شیخ محمد الغزالی، ڈاکٹر محمد عمارۃ، استاذ فہمی ھویدی، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ڈاکٹر محمد سلیم العوا اور استاذ عبد الحلیم ابو شقہ نے دنیا کی خواتین کے نام ایک کھلے خط میں بیجنگ کانفرنس کے حوالے سے اسلام کی فطری تعلیمات کو دلنشیں اور موثر انداز سے پیش کیا۔ ہم مجلہ قضایا دولیۃ کے شکریے کے ساتھ اس کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ (مدیر)

بیجنگ میں عالمی خواتین کانفرنس کے موقع پر ہم چند باتیں آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر دینِ فطرت ' اسلام کی تعلیمات و ہدایات آپ کے سامنے پیش کریں۔ تمام مذاہب و ادیان کے درمیان اسلام اس لحاظ سے منفرد ہے کہ عورت کے حق میں اٹھنے والی کسی بھی تحریک سے صدیوں پہلے اس نے عورت کو آزادی اور حقوق عطا کیے۔

ہم قدیم و جدید دونوں جاہلیتوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ اسلام سے پہلے جو جاہلیت پائی جاتی تھی وہ مسلمان معاشروں میں اس وقت پھر رواج پاگئی جب مسلمان دینِ حق کی تعلیمات سے دور ہوگئے اور صرف عورت ہی نہیں بلکہ مرد بھی متاثر ہوئے۔ دوسری وہ جدید جاہلیت ہے جو آج مسلم معاشروں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ عورت کو آزادی دینے والی ہے حالانکہ درحقیقت وہ عورت سے اس کا اصل مقام و مرتبہ چھین کر اسے انسانیت کے درجہ سے بھی گرا دینے والی ہے۔

مساوات

اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان حقیقی مساوات قائم کی ہے۔ سب سے پہلی چیز جو ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن میں یَا اَیُّهَا النَّاسُ (اے لوگو!) یٰبَنِیْ آدَمَ (اے اولادِ آدم!) اور یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو!) کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ اس طرح مرد اور عورت دونوں قرآن کے یکساں مخاطب ہیں۔

اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو پیدائش کے لحاظ سے یکساں قرار دیا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اسی طرح ذمہ داری کے لحاظ سے دونوں کو مساوی رکھا ہے۔ تخلیق آدم کے وقت کا بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: شیطان نے ان دونوں کو بہکایا اور ان دونوں نے شجر ممنوعہ کا پھل کھایا اور پھر ان دونوں نے اللہ کے حضور توبہ کی۔ پھر قرآن میں بالکل واضح طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، وہ صلہ سے محروم نہ رہے گا۔

اللہ کے قانون کی پابندی کرنے میں بھی مرد اور عورت کو بالکل برابر رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ اختیار نہیں کہ اللہ اور رسولؐ کے فیصلہ کے بعد اپنے بارے میں خود کوئی فیصلہ کرے۔

معاشرے کی اصلاح کی ذمہ داری میں بھی مرد اور عورت یکساں شریک ہیں: مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔

ملکیت کا حق بھی دونوں کے لیے برابر ہے: مردوں نے جو کمایا اس میں ان کا اور عورتوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے۔ وراثت میں بھی دونوں شریک ہیں لیکن صحیح انصاف کی خاطر ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے مرد اور عورت کے لیے مقدار الگ الگ مقرر کی گئی ہے۔

آمدنی کے لیے جدوجہد کرنے اور کوئی پیشہ اختیار کرنے کا حق جس طرح مرد کو ہے اسی طرح عورت کو بھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں کھیتی باڑی میں حصہ لیتی تھیں، جانور بھی چراتی تھیں، سلائی اور دوسرے پیشوں کے ذریعہ بھی کمائی کرتی تھیں اور بیماروں اور زخمیوں کا علاج بھی کرتی تھیں۔ اسلام نے علم کے حصول کا حق دینے میں بھی مرد اور عورت کے درمیان مساوات رکھی ہے بلکہ اسے دونوں کے لیے واجب قرار دیا ہے۔

معاشرتی قدر و منزلت اور عزت کی حفاظت میں بھی مرد اور عورت دونوں یکساں ہیں: اے ایمان لانے والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ قانون جرم و سزا میں بھی اسلام مرد اور عورت کو کامل مساوات عطا کرتا ہے۔

زندگی کا ساتھی منتخب کرنے میں بھی مرد کی طرح عورت کو پسند اور ناپسند کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

گھر کی ذمہ داری اور اس کے بارے میں باز پرس میں بھی دونوں برابر کے شریک ہیں۔ مرد بھی اپنے گھر کا نگران ہے اور عورت بھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کاموں میں ازواج مطہرات کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ گھر کے معاملات باہمی مشورے سے چلائے جاتے تھے۔

اولاد کی زندگی کی حفاظت اور اس کی تربیت میں بھی لڑکا اور لڑکی دونوں یکساں شریک ہیں بلکہ لڑکی کے بارے میں زیادہ شدت سے حکم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے اوپر ماؤں کی نافرمانی اور بیٹیوں کو زندہ گاڑنا حرام قرار دیا ہے۔

عبادات میں اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اور مجالس میں شرکت کو بھی اسلام مرد عورت دونوں کا حق قرار دیتا ہے۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں۔ اس مساوات کی جو اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان قائم کی ہے اور نبی کریمؐ نے اس مساوات کو عملی جامہ پہنا کر بھی دکھا دیا ہے۔

مساوات اور مشابہت میں فرق: لیکن اسلام کی نظر میں مساوات کا مطلب بالکل ایک جیسا ہونا نہیں ہے۔ دونوں جنسوں کو بالکل یکساں اور باہم مماثل قرار دینا تو صریح ظلم، ناانصافی اور عدم مساوات ہے۔ عورت بچہ کا بوجھ اٹھاتی ہے، پھر اسے دودھ پلاتی ہے۔ کیا مرد یہ دونوں کام کرتا ہے؟ پھر دونوں یکساں کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اگر ہم مرد اور عورت پر ہر کام کا برابر برابر بوجھ ڈال دیں تو کیا یہ عورت کے ساتھ زیادتی نہ ہوگی؟ یہ اس سے دوہرا کام لینا ہوگا۔ اور اگر وہ یہ دونوں کام ایک ساتھ نہ کرنا چاہے، یا کرنے کی طاقت نہ رکھتی ہو تو کیا اس طرح وہ اس حق سے محروم نہیں ہو جاتی جو مرد کو حاصل ہے؟

عورت اور مرد میں مکمل برابری کا دعویٰ کس طرح کیا جا سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے نئی نسلوں کی تربیت کی منفرد ذمہ داری عورت کے سپرد کی ہے۔ مرد اس میں عورت کی برابری نہیں کر سکتا۔ یوں عورت مرد سے اس طرح ممتاز ہے کہ وہ اس کے ساتھ حال کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے ساتھ ساتھ مستقبل کی معمار بھی ہے۔

اسی ذمہ داری کی وجہ سے اسلام نے عورت کے اوپر گھر سے باہر کی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے۔ یہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہر سے کما کر لائے اور عورت پر خرچ کرے، خواہ وہ اس کی بیوی یا ماں ہو، بیٹی ہو یا بہن ہو۔ مرد کی یہ ذمہ داری اس صورت میں بھی باقی رہتی ہے کہ عورت خود کمانے والی ہو۔ یہی وہ حقیقی مساوات ہے جو اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان قائم کی ہے۔ اس کے مقابلہ میں وہ نام نہاد مساوات ہے جو آج کے دور میں آزادی کے نام پر قائم کی جا رہی ہے۔ خصوصاً وہ آزادی جو شادی کے بغیر ایک لڑکے اور لڑکی کو تعلق قائم کرنے کی دی جا رہی ہے۔ اس تعلق کی قیمت صرف لڑکی کو ادا کرنا پڑتی ہے۔ وہ حاملہ ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد پیش آمدہ نتائج اور مسائل کا تنہا سامنا کرتی ہے جبکہ لڑکا ہر ذمہ داری سے آزاد ہوتا ہے۔ آج اس کو مساوات اور انصاف کہا جاتا ہے۔

اسلامی معاشرہ :

اسلام ایک ایسے معاشرے کی صورت گری کرتا ہے جس میں مرد اور عورت دو الگ الگ جنس ہیں۔ ان کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہیں اور وہ باہمی تعاون و ہمدردی اور الفت و محبت کے ساتھ اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ "یک جنسی" معاشرہ نہیں ہے جس میں مرد عورت بن کر یا عورت مرد بن کر رہے کیونکہ یہ غیرانسانی اور غیرفطری صورت ہے۔ اسی طرح اسلام فرد اور فرد کے درمیان اور فرد اور معاشرے کے درمیان حقوق کا صحیح توازن قائم کرتا ہے۔ وہ کسی کو بھی ایسا حق نہیں دیتا جو کسی دوسرے کے حق کی قیمت پر ملے۔ اور مرد اور عورت کے درمیان اس اصول کا بدرجہ اولیٰ انطباق ہوتا ہے۔ قرآن میں میاں اور بیوی کو ایک دوسرے کے لیے لباس قرار دیا گیا ہے۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت و مُودّت اور رحم و شفقت کا تعلق قائم کرنا مطلوب بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ تعلق صرف میاں بیوی تک محدود نہیں بلکہ خاندان کے اور معاشرے کے تمام افراد کے درمیان اسی طرح محبت و شفقت کا تعلق ہونا چاہیے۔ اسلام کی یہ تعلیم آج کے زخمی معاشرے کے لیے مرہم کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج کے معاشرے میں فرد کو تنہا اور بے سہارا ہونے کا احساس ہے 'بوڑھے نوجوانوں کی طرف سے لاپروائی کا شکار ہیں' دو نسلوں کے درمیان جنریشن گیپ کا مسئلہ ہے 'خودکشی اور تشدد کی وارداتوں کی کثرت ہے 'کم عمروں میں جرائم کی شرح میں اضافہ ہے 'اور اسی طرح کے بے شمار مسائل ہیں جو افراد کے درمیان محبت و الفت کی کمی کا نتیجہ ہیں۔

اسلام کی نظر میں ایک خاندان کا مقام بہت بلند و محترم ہے کیونکہ وہ معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ خاندان میاں اور بیوی کے ملنے سے بنتا ہے 'جن کے درمیان شرعی بندھن ہوتا ہے اور سکینت اور مہر و الفت ان پر سایہ فگن ہوتی ہے۔ پھر اور بہت سے مرد اور عورتیں ہوتی ہیں جن سے رشتہ داری کا تعلق ہوتا ہے۔ ان کے کام باہمی مشورے سے چلتے ہیں اور یہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ عورت اپنے گھر کی راعیہ (نگراں) ہوتی ہے۔ اپنے خاندان کے افراد کی جسمانی اور روحانی ضروریات پوری کرتی ہے۔ اس طرح معاشرے میں رہتے ہوئے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں اپنا کردار ادا کرتی ہے۔ وہ اللہ کی بنائی ہوئی زمین پر مرد کی طرح چلتی پھرتی ہے 'اللہ کا دیا ہوا رزق کھاتی ہے اور اس دنیا کی تعمیر اور معاشرے کی ترقی میں مرد کے ساتھ برابر کا حصہ لیتی ہے۔

نوجوانوں کو برائیوں سے بچانے کے اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے لیے خاندان سے حاصل ہونے والی محبت اور سکون ضروری ہے۔ اسی لیے اسلام نے یہ تاکید کی ہے کہ جو استطاعت رکھتا ہے وہ نکاح کرلے۔ صحیح وقت پر نکاح کے بندھن میں بندھ جانا نوجوانوں کو بے حیائی اور فحاشی سے دور رکھتا ہے۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آج کے ترقی یافتہ معاشروں میں کم عمری میں جنسی تعلقات قائم کرنے کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھائی جاتی۔ لیکن اگر یہی تعلقات وہی افراد شرعی پابندی یعنی نکاح کے بعد قائم کریں تو کم عمری کی شادی پر اعتراض شروع ہو جاتے ہیں۔ جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کے اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے چلے اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے۔

کانفرنس کے ایجنڈے کے قابل تعریف پہلو: اس ایجنڈے پر گہری نظر ڈالنے کے بعد ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے عاید کردہ ذمہ داری کے تحت اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس کے مثبت پہلوؤں کی تائید کریں اور منفی پہلوؤں کو بھی سامنے رکھ دیں تاکہ وہ مرد اور عورتیں جو ان کو ایجنڈے سے نکالنے میں کوئی کردار ادا کر سکتے ہیں اپنی پوری کوشش کریں۔

سب سے پہلی قابل تعریف بات یہ ہے کہ ایک فقرہ میں (قوسین کے درمیان ہی سہی) کروڑوں عورتوں کی زندگی میں دین کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ مساوات ترقی اور اس کے لیے اخلاقیات کو اہمیت دی گئی ہے جو معاشرے کو ہر طرح کے فساد اور عورت کو استحصال سے بچانے کے لیے ضروری ہے۔ اس طرح مادی ضروریات کے ساتھ ساتھ روحانی پہلو کو بھی نظرانداز نہیں کیا گیا۔ خاندان کی اہمیت کو (قوسین ہی کے درمیان) یہ کہہ کر تسلیم کیا گیا ہے کہ خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور عورت اس کی بھلائی اور معاشرے کی ترقی کے لیے نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ یہ چیز بھی قابل تعریف ہے کہ اس ایجنڈے میں عورت کی تصاویر کے غلط استعمال پر تنقید کی گئی ہے۔ اشتہارات میں اور جنسی تشدد کے واقعات کے بیان میں عورت کے جسمانی استعمال کے خلاف آواز اٹھائی گئی ہے۔

جن علاقوں میں عوام اپنے حق کے لیے آواز اٹھا رہے ہیں اور ظلم و ستم کے ذریعے ان کی آواز دبانے کی کوشش کی جا رہی ہے وہاں عورت پر ظلم جبر و تشدد اور عصمت دری کو روکنے کے لیے اس ایجنڈے میں شدت سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ بوسنیا کی مثال ہمارے سامنے ہے! عورتوں کو کمائی کا ذریعہ بنانا اور ان کو بدکاری پر مجبور کرنا بھی اس ایجنڈے میں شامل ہے۔ اسی طرح یہ بھی ایک اچھا پہلو ہے کہ عورت کو تعلیم کی راہ میں جو رکاوٹ بھی ہو اس کو دور کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے خواہ یہ رکاوٹ جنس کے لحاظ سے ہو یا دینی اعتبار سے ہو۔ فرانس میں اسلامی لباس پہننے کی وجہ سے مسلمان لڑکیوں کو تعلیم سے محروم کرنا کوئی دور کی بات نہیں ہے۔ یہ بھی ایک اچھی بات ہے کہ یہ ایجنڈا آبادی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور وضاحت کرتا ہے کہ اسقاط حمل خاندان کی تنظیم کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

ایجنڈے کے نقائص: اس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تمام اجزا مجموعی طور پر دونوں جنسوں کے درمیان مکمل یکسانیت اور ہمہ پہلو مطابقت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں بلکہ عورت اور

مرد کو کھلی دعوت دیتے ہیں کہ وہ نئے دور کے مطابق خاندان اور معاشرے کی تشکیل جدید کریں اور "ایک جنسی معاشرہ" کے قیام کی راہ ہموار ہو۔

اس ایجنڈے میں کم عمری کی شادی کو لعنت قرار دیا گیا ہے اور اسے لڑکیوں کو زندہ گاڑنے اور اولاد کو قتل کرنے کے مماثل ٹھہرایا گیا ہے جبکہ کم عمری میں بغیر نکاح کے جنسی تعلقات قائم کرنے سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ اسی طرح کئی مقامات پر ایسی بات کہی گئی ہے کہ جنسی تعلقات کی آزادی ہونا چاہیے' خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں۔

یہ بات بھی قابل اعتراض ہے کہ وراثت میں مرد اور عورت کی برابری کے لیے قانون بنائے جائیں۔ حالانکہ یہ دنیا کی چوتھائی آبادی 'یعنی مسلمانوں' کے دین کے خلاف ہے جس میں مرد کو عورت کے اخراجات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ عورت بچوں' بوڑھوں اور معذوروں کی خدمت بلامعاوضہ کیوں کرے؟ اس طرح انسانی جذبات و احساسات کی قدر و قیمت کم کر کے معاشرے کو باہمی ہمدردی' محبت اور ذمہ داریوں کے احساس سے عاری کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بات کہ نکاح دو افراد کے درمیان قانونی معاہدہ ہے جس کے ذریعہ وہ ایک دوسرے سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کا حق رکھتے ہیں' نظرانداز کرتے ہوئے شوہر کے لیے جنسی تشدد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ عورتوں کے لیے' خصوصاً ایڈز کی شکار عورتوں کے لیے' یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ اس مرض اور دوسرے جنسی امراض سے متعلقہ کانفرنسوں اور قراردادوں کی منظوری وغیرہ میں ان کو شریک کیا جائے۔ پہلی دفعہ اس طرح کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ علم و فن سے متعلق کام میں ان لوگوں کو شریک کیا جائے جو اس کے بارے میں کوئی مہارت نہیں رکھتے۔

ایک یہ پہلو قابل اعتراض ہے کہ جنسی تعلیم کو دینی اور اخلاقی حدود و قیود سے آزاد رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ ممالک جو خود کو ترقی یافتہ کہتے ہیں ان کے لیے تو یہ امر قابل قبول ہو سکتا ہے لیکن دنیا کی غالب آبادی اس کو پسند نہیں کر سکتی جس کے لیے دین و اخلاق اب بھی مرکزی حیثیت کے حامل ہیں۔

ہمارا موقف: اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ مرد اور عورت کی مساوات کے لیے چلائی جانے والی ہر تحریک اسلام کی نظر میں پسندیدہ ہے۔ لیکن دونوں جنسوں کو بالکل یکساں قرار دے کر معاشرہ کو یک جنسی معاشرہ بنانا اسلام کی نظر میں کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ شرعی حدود کے اندر مرد اور عورت تعلقات قائم کر کے خاندان بنائیں' یہ اسلام کی دعوت ہے۔ لیکن اس سے ہٹ کر تعلقات کے قیام کے خلاف اسلام اعلانِ جنگ کرتا ہے۔ دین اور اخلاق کی حدود و قیود کو توڑتے ہوئے فطرت

انسانی کے خلاف تعلقات قائم کرنے کا حق صرف وہ لوگ مانگتے ہیں جو اپنی جنسی خواہشات کی بے لگام تکمیل چاہتے ہیں۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے کروڑہا انسانوں کو، جن کا نصف شریف اور پاک دامن عورتیں ہیں، مٹھی بھر ترقی یافتہ ممالک کی ان کوششوں پر خاموش نہیں رہنا چاہیے جو وہ اپنی اقدار کو دنیا بھر پر مسلط کرنے کے لیے کر رہے ہیں۔ سکون و محبت کا عدم وجود، خاندانی زندگی کا انتشار اور خودکشی اور جرائم کی کثرت جو ان قوموں میں موجود ہے وہ چاہتے ہیں کہ دنیا کی تمام قومیں اس کا شکار ہو جائیں۔ یہ دراصل عورت کو اس کے اصل مقام اور عظیم مرتبے سے گرانے کی کوشش ہے۔ یہ ایک جدید قسم کی آمریت ہے جو ایک چھوٹی سی اقلیت دنیا کی کثیر آبادی پر مسلط کرنا چاہتی ہے۔ اس کی کوشش ہے کہ ہر جگہ کی ہر عورت اس کا دیا ہوا طرز حیات اپنائے اور خواہش اور طاقت نہ ہونے کے باوجود گھر سے باہر کے کاموں کا بوجھ بھی اٹھائے۔ دنیا بھر کی عورتوں کو اس نئے طاغوت کا مقابلہ کرنا ہے اور انسانیت کے شرف و عزت کو مٹانے والی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔

ہم اللہ کو ماننے والی تمام طاقتوں کو معاشرے کے انہدام کی کوششوں کے خلاف جمع ہونے کی دعوت دیتے ہیں اور ہر دین میں جو اعلیٰ اصول موجود ہیں ان کی حفاظت کے لیے کھڑے ہو جانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مرد اور عورتیں دونوں کو اس تحریک کے اچھے پہلوؤں کی حمایت اور خراب پہلوؤں کی مخالفت کرنا چاہیے۔ اس طرح وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں گے اور بلند اخلاقی اصول اور شریفانہ انسانی جذبات کے زیر سایہ ایک صالح معاشرے کے قیام میں مددگار ہوں گے اور اس طرح حقیر مادی اور شہوانی خواہشات کے زیر سایہ پرورش پانے والے انسان کو اس زمین کی خلافت کا حقدار بنانے میں بھی تعاون کریں گے۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اے اللہ کے بندو!

اللہ کی بندگی اختیار کرو'

ایک راستہ اختیار کیا ہے' اس پر چلتے رہو!

شیطان نے ازل میں چیلنج دیا تھا

بہکانے کے لیے دائیں سے' بائیں سے' آگے سے' پیچھے سے' نیچے سے'
اوپر سے آؤں گا

وہ برابر اپنے کام میں لگا ہوا ہے'

حوصلہ نہیں ہارتا' شکست تسلیم نہیں کرتا' مایوس نہیں ہوتا'

پھر تم کیوں حوصلہ ہارتے ہو' شکست تسلیم کرتے ہو' مایوس ہوتے ہو؟

اللہ دیکھنا چاہتا ہے' اور فخر کرنا چاہتا ہے کہ:

اس کے بندے شیطان کے بہکانے میں نہیں آئے'

اس کی بندگی کے راستے پر چلتے رہے

تاکہ جب وہ اس کے پاس آئیں تو وہ انھیں اپنی مسرتوں بھری'
عیش و راحت کی جنتوں میں داخل کرے۔

تم دیکھتے کیوں نہیں؟

وہ پانی برساتا ہے اور زمین نعمتیں اگل دیتی ہے' ہرے بھرے وسیع میدان' لدے
پھندے پھلوں کے درخت' باغ و بہار' فصلیں'

تم سمجھتے ہو کہ سب کچھ تمھاری دسترس میں ہے'

پھر یکایک خدا کا حکم آتا ہے اور سب کچھ ملیامیٹ ہو جاتا ہے۔

اللہ کے بندو!

اللہ کی بندگی کرو' اس کو راضی کرو اور اس کی جنتوں میں داخل ہو جاؤ'

چند ساعتیں آزمائش کی   اور پھر عیش ہی عیش!

[بندۂ خدا]

مخلوط یا جُداگانہ ادارے

برطانیہ میں تعلیمی بحث

مسلم سجاد

مغربی تہذیب نے جو معاشرہ قائم کیا ہے اس کا ایک خصوصی مظہر اختلاط مرد و زن ہے۔ اس کی بنیاد مخلوط تعلیمی اداروں میں رکھی جاتی ہے۔ استعماری ممالک نے مسلم ممالک پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد اپنا نظام تعلیم رائج کیا۔ اسی ایک اقدام سے انھوں نے مسلمانوں کو ان کے ماضی سے 'تاریخ سے اور معاشرتی روایات سے کاٹ دیا۔ آج بیش تر مسلم ممالک کو آزاد ہوئے ۵۰ سال ہو چکے ہیں لیکن اجنبی تہذیب کے نظام تعلیم نے انھیں اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ وہ آزاد ہو کر بھی آزاد نہیں ہیں۔

اس نظام تعلیم کے تحت مسلم ممالک میں مخلوط تعلیمی اداروں کو رواج دیا گیا۔ مسلمانوں کی اپنی تہذیبی روایات کی وجہ سے اس کی خلاف شروع سے مزاحمت رہی اور انھیں قبول عام حاصل نہ ہوا تاہم معاشرہ کے 'کامیاب' لوگوں نے اسے اختیار کیا۔ آزادی کے بعد 'بدقسمتی سے مخلوط تعلیم کی حوصلہ شکنی کے بجائے حوصلہ افزائی ہوئی اور لڑکیوں اور لڑکوں کے لیے جداگانہ تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ مخلوط ادارے بھی قائم کیے گئے۔ یونی ورسٹی اور پیشہ ورانہ تعلیمی ادارے تو مخلوط ہی ہیں۔

مخلوط تعلیم ہر مسلمان ملک' ہر مسلمان معاشرے بلکہ ہر مسلمان خاندان کا ایک زندہ مسئلہ ہے۔ اس کے اثرات سے سب کو سابقہ پیش آتا ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اس زندہ مسئلہ پر ہمیں مسلم ممالک میں کوئی تحقیقی کاوش نظر نہیں آتی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس پر نظریاتی' اطلاقی' شماریاتی ہر حوالے سے تحقیقی لوازموں کے ڈھیر لگے ہوتے۔ افریقہ کا مسلم ملک ہو' یا عرب دنیا کا' یا مشرق بعید کا' یہ ہر جگہ کا مسئلہ تھا۔ یہاں کے تعلیمی تحقیق کے ادارے اپنے اپنے ملک میں بھی اس کے اثرات کے جائزے لیتے اور تحقیق کار مغربی ممالک میں اس کے جو اثرات رونما ہوئے ہیں اس پر بھی نظر ڈالتے۔

لڑکوں اور لڑکیوں کی نفسیات' میل جول اور اختلاط کے اثرات اور تعلیمی کامیابیوں کے بارے میں یہ تحقیقات اس دائرہ میں اسلام کی ہدایات کی حقانیت واضح کرتیں۔ لیکن غالباً ہم اس کے منتظر ہیں

کہ خود مغرب عاجز آکر مخلوط طریقہ تعلیم ترک کرے تو ہم بھی ترک کر دیں۔ بہرحال ان لوگوں کے لیے جنہیں کسی بھی بات کی صداقت کے لیے مغرب کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہوتی ہے گزشتہ سال سے برطانیہ کے اسکولوں کے اے اور او لیول امتحانات کے نتائج کی بنیاد پر مخلوط اور جداگانہ اداروں کا جو تقابل سامنے آرہا ہے' وہ شاید چشم کشا ثابت ہو۔

ان تحقیقات کا موضوع مخلوط اداروں کے اخلاقی مفاسد نہیں ہیں۔ شاید اس لیے بھی کہ جنہیں ہم مفاسد سمجھتے ہیں' وہ نہیں سمجھتے۔ پھر بھی بعض ادارے اسی حوالے سے کام کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ اسکولوں میں جنسی آوارگی کا کیا عالم ہو چکا ہے۔ خاندان کے تحفظ کے لیے کام کرنے والا ایک ادارہ اپنے ماہانہ رسالے میں اس بارے میں مسلسل واقعات اور معلومات فراہم کرتا ہے۔ امریکہ سے شائع ہونے والے ایک ماہانہ ضخیم رسالہ World & I میں ایک مضمون میں بڑی دردمندی سے بہت سارے مسائل کا حل یہ بتایا گیا تھا کہ کسی طرح ہم اپنے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اس پر آمادہ کر سکیں کہ وہ کم از کم اسکول سے فارغ ہونے تک اپنے کو جنسی فعل سے باز رکھیں۔

امتحانی نتائج کوئی علیحدہ چیز نہیں ہیں اور یقیناً بہتر یا بدتر نتائج میں طالب علم جس کیفیت سے گزر رہا ہے اور جن مسائل کا شکار ہے' اس کا دخل ہے۔ ضروری نہیں کہ مغرب کے ماہرین تعلیم اس کی وجہ اختلاط مرد و زن قرار دیں۔ یقیناً وہ کوئی اور وجہ تلاش کرتے ہیں۔

مخلوط تعلیم کے حق میں ایک دلیل یہ دی جاتی رہی ہے کہ مخلوط ماحول ہی فطری ماحول ہے اور اس ماحول میں ہی بہتر تعلیم دی جا سکتی ہے۔ جداگانہ ادارے غیر فطری ماحول فراہم کرتے ہیں۔ طلبہ اور طالبات کی بہتر کارکردگی مخلوط اداروں میں ہی ہوتی ہے۔

برطانیہ میں مخلوط اور جداگانہ دونوں طرح کے تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں' لیکن امتحان سب کا ایک ہوتا ہے۔ گزشتہ سال کے نتائج کے بعد سے وہاں کے تعلیمی حلقوں میں یہ بحث ہو رہی ہے' اور ٹائمز جیسے اخبار نے اس پر اداریے لکھے ہیں کہ جداگانہ اداروں کی لڑکیوں نے مخلوط اداروں کی لڑکیوں سے بہت بہتر نتائج حاصل کیے ہیں۔ اخبار کو تو شکایت یہ ہے کہ جداگانہ اداروں کی کامیابی کی حقیقت کو جو مناسب پریس ملنا چاہیے تھا وہ نہیں ملا ہے۔ (دی ٹائمز' ۲۴ اگست ۹۵)

ٹائمز نے ۵ سو اعلیٰ معیار کے سرکاری اور نجی اداروں کے اے لیول امتحانات کا جائزہ گزشتہ سال بھی لیا تھا اور اس سال بھی۔ لیگ ٹیبل کے مطابق ۵۰ بہترین اسکولوں میں سے بیش تر جداگانہ اسکول تھے۔

گزشتہ تین برسوں میں پانچ ہزار اسکول معائنوں کی بنیاد پر تیار شدہ غیر مطبوعہ سرکاری رپورٹ کے مطابق لڑکیوں کے جداگانہ اسکول' بمقابلہ مخلوط کے' بہتر امتحانی نتائج دے رہے ہیں۔ یہ اس امر

کی مناسب اور مضبوط دلیل ہیں کہ جب لڑکیوں کو علیحدہ تعلیم دی جاتی ہے تو وہ لڑکوں سے بہت بہتر ثابت ہوتی ہیں اور تعلیمی لحاظ سے خوب پھلتی پھولتی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق لڑکیوں کے اسکول' معیار' کارکردگی' ماحول اور تعلیمی کیفیت ہر لحاظ سے بہتر ثابت ہوتے ہیں۔ مقابلے پر آنے والے ہیڈ ماسٹرز کانفرنس کے مخلوط تعلیم گروپ کا کہنا ہے کہ لڑکیوں کے بہتر نتائج کی تاریخی اور معاشرتی وجوہات ہیں۔ ان کا کہنا ہے "محض یہ بات کہ جداگانہ اسکول بہتر نتائج دیتے ہیں' یہ ظاہر نہیں کرتا ہے کہ یہ ان کے جداگانہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ ان کے نتائج اس لیے بہتر ہیں کہ وہ بہتر طالبات کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ جب کہ سرکاری رپورٹ جو Ofsted ایجنسی نے تیار کی ہے' بتاتی ہے کہ جداگانہ اسکول تعلیمی قابلیت کی بنیاد پر انتخاب نہیں کرتے مگر مخلوط اداروں کے مقابلے میں مسلسل بہتر نتائج دے رہے ہیں۔ (دی ٹائمز '۲۶ اکتوبر ۹۵)

اس مسئلہ کا ایک دوسرے نقطہ نظر سے بھی مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق یونی ورسٹیوں اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں ان طالبات کو زیادہ داخلے مل رہے ہیں جو جداگانہ اسکولوں سے پڑھ کر آئی ہیں۔ مثال کے طور پر میڈیسن میں جداگانہ اسکول سے آنے والی ۱۹۷۲ کی ۱۰۰ طالبات کی جگہ ۱۹۹۲ میں ۵۷۲ داخل ہوئی ہیں۔ جداگانہ اسکولوں سے داخلہ ۲۵٪ سے بڑھ کر ۵۰٪ ہو گیا ہے۔ آکسفورڈ میں سائنس میں ۱۹۷۲ کی ۱۰۰ طالبات کی جگہ ۳۶۹ نے داخلہ لیا ہے۔ کیمبرج میں بھی ۱۰۰ کی جگہ جداگانہ اسکولوں کی ۵۰۴ طالبات کو داخلہ ملا ہے۔ تمام یونی ورسٹیوں میں آرٹس' سائنس کے کل داخلوں کا جائزہ لیا جائے تو یہی صورت حال سامنے آتی ہے۔

امریکہ میں رومن کیتھولک اسکولوں کی تحقیقی رپورٹ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ "کوئی خاص پرکشش کامیابی کی بات جداگانہ اسکولوں میں ایسی ہوتی ہے جو مخلوط اسکولوں میں نہیں ہوتی"۔

(Catholic Schools and the Common Good. Harvard 1994)

اس کے علاوہ اس موضوع پر دو دوسری کتابوں سے بھی یہی حقیقت سامنے آتی ہے۔

1- Failing at Fairness: How Our Schools Cheat Girls. (Mand D Sadker. Touchstone 1992).

2- How Schools Short Change Girls. Wellesley College 1992.

امریکہ میں جارج' واشنگٹن یونیورسٹی میں ایک مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ مخلوط اداروں کی گریجویٹ طالبات کے مقابلے میں جداگانہ اداروں کی گریجویٹ طالبات نے امتحانی نتائج' اعلیٰ اداروں میں داخلے' پی ایچ ڈی کے حصول' معاوضوں اور کام سے اطمینان کے حوالے سے بہتر مظاہرہ کیا ہے۔ امریکی کیتھولک مطالعے کے مطابق طالبات کے جداگانہ اداروں کے حق میں مضبوط دلائل ہیں اور ان

کے قیام سے لڑکوں کے اسکولوں پر بھی خوشگوار اثرات ہوئے ہیں۔ اگر ہم جداگانہ ادارے ختم کر دیں تو یہ بڑا ستم ہو گا۔ (دی ٹائمز ' ۲۷ اکتوبر ۹۵)

مخلوط تعلیم کے حامیوں کا استدلال ہے کہ جداگانہ اداروں کے بہتر نتائج جداگانہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہیں۔ ٹائمز نے اداریے میں لکھا ہے کہ اگر دلیل یہ ہے کہ والدین بہتر نتائج کی وجہ سے ان اسکولوں میں جاتے ہیں اس لیے انھیں بہتر طالبات ملتی ہیں تو اس رپورٹ کو پڑھنے کے بعد تو ہر کوئی والدین ' اپنی لڑکیوں کا نام ان اسکولوں میں لکھوائیں گے۔ یہ اسکول اس لیے بہتر کا انتخاب کر سکتے ہیں کہ نشستوں کی طلب موجود تعداد سے زیادہ ہے۔ اتنی ہی اہم بات یہ ہے کہ بہت سے نوجوان ثانوی اسکولوں کی سطح پر جداگانہ ماحول کو زیادہ بہتر (congenial) پاتے ہیں۔ اس کی وجوہات مختلف ہیں۔ بہت سی لڑکیوں کا احساس ہے کہ کلاس میں لڑکے نہ ہوں 'تو ان کو خود اعتمادی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح بہت سے لڑکے جنس مخالف کے بغیر ویک اینڈ گزارنا پسند کرتے ہیں۔

دراصل 'مخلوط اداروں کے سربراہوں کی جانب سے جداگانہ اداروں کی کارکردگی گھٹانے کی کوشش کمرہ جماعت کی حقیقت سے زیادہ' ان کے اپنے خوف کی عکاسی کرتی ہے۔ اس وقت سرکاری اسکول بالعموم مخلوط ہیں۔ اور نجی بھی اس لیے مخلوط ہوتے جا رہے ہیں کہ انھیں زیادہ تعداد میں داخلے مل سکیں۔ گزشتہ ۲۰ برسوں میں سرکاری پالیسی کے تحت لڑکیوں کے جداگانہ اسکول ۱۵۰۰ سے کم ہو کر ۲۰۰ رہ گئے ہیں۔ اس صورت حال میں والدین اپنی مرضی سے انتخاب نہیں کر پائیں گے۔ برطانیہ کی تعلیم کی سیکرٹری جیلیان شیپرڈ (Gillian Shephard) نے جداگانہ اسکولوں کی حمایت کا اعلان کیا ہے۔ انھیں اعلان سے بڑھ کر بھی کچھ کرنا چاہیے۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ بہترین طالبات کے جداگانہ اسکول منتخب کرنے کی تعداد میں ہر سال مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ (اداریہ ' دی ٹائمز ' ۲۲ اگست ۹۵)

ٹائمز کے یہ اداریے اور دوسری رپورٹیں اس حقیقت کا اظہار ہیں جو ہم پہلے دن سے جانتے ہیں۔ مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم ممالک کی حکومتیں اپنی تہذیبی اقدار پر فخر کے جذبے کے ساتھ اپنے نظام تعلیم کو طالبات اور طلبہ کے لیے ہر سطح پر جدا کر دیں۔ یہ تعلیمی لحاظ سے طلبہ و طالبات کے لیے بہتر ہے ' اخلاقی لحاظ سے مطلوب ہے ' دین کا تقاضا ہے ' اور ہر سلیم الفطرت انسان اسی کا خواہاں ہے۔

اخبارِ امت

تحریکاتِ اسلامی کے خلاف اسرائیلی حکمتِ عملی

عبدالغفار عزیز

سرزمینِ فلسطین پر اسرائیلی ناسور کو دوام بخشنے اور اسے قانونی تحفظ دینے کے لیے "امن" کے نام پر عرب اسرائیل مذاکرات ایک دو دھاری بلکہ کئی دھاری تلوار تھے جس کے ذریعے یہودی اقتصادی نظام مستحکم کرنے اور عالمِ اسلام میں یہودی ثقافتی یلغار کے لیے راہ ہموار کی گئی۔ تحریکِ انتفاضہ کو خود فلسطینی "پولیس" کے ہاتھوں کچلنے کا مکروہ عمل شروع کروایا گیا اور دیگر کئی ایسے اہداف حاصل کرنے کا منصوبہ بھی بنایا گیا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سامنے آ رہے ہیں۔ انہی اہداف میں سے ایک خطرناک ہدف دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کے خلاف مشترکہ عالمی منصوبہ بندی کرنا اور ان کو کچلنا بھی ہے۔

علاقائی سلامتی اور اسلحے کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے ہونے والے مذاکرات میں اسرائیل نے متعدد قرطاسِ عمل پیش کیے تھے جو اسرائیلی کابینہ کی خصوصی کمیٹیوں نے تیار کیے تھے لیکن ایک دستاویز ایسی تھی جو اسرائیل کی وزارتِ دفاع نے تیار کی تھی۔ اس کے سرورق پر جلی حروف میں لکھا ہے "The Danger of Islamic Fundamentalism" (اسلامی بنیاد پرستی کا خطرہ)۔ نیچے دائیں کونے پر خشش گونہ یہودی ستارہ اور اس کے نیچے عبرانی اور انگریزی میں لکھا ہے: اسرائیلی دفاعی فورسز۔ اوپر دائیں کونے پر وزارتِ دفاع کا فون اور فیکس لکھا گیا ہے۔

عرب اسرائیل مذاکرات میں شامل عرب ممالک نے دوسرے وثائق تو تھوڑی بہت بحث و تمحیص کے بعد تسلیم کیے لیکن بنیاد پرستی کے خطرے والی دستاویز گویا ان کے دل کی آواز تھی، فوراً آمنا و صدقنا تسلیم کر لی گئی۔ اس وقت مختلف عرب ممالک میں اسلامی تحریکوں کے خلاف جو وحشیانہ کارروائیاں ہو رہی ہیں، آپ ذرا انہیں اور زیرِ نظر اس اسرائیلی منصوبہ بندی کا موازنہ کریں، آپ کو بہت سے رازوں سے پردہ اٹھتا دکھائی دے گا۔

اس دستاویز کے مقدمے میں تحاریکِ اسلامی کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ:

☆ عالمی اقتصادی بدحالی کی وجہ سے اس آخری دہائی میں شدت پسند اسلامی تحریکوں کی قوت میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے۔ صرف "اسرائیل" میں دیکھیں تو حماس اور جہاد اسلامی جیسی تنظیمیں ترقی کے نئے مراحل طے کر رہی ہیں۔ زیر زمین کام کرنے والی تحریک "حماس" مسلم آبادی کی اکثریت کی حمایت حاصل کر کے "اسرائیل" کے ساتھ کسی بھی طرح کی پر امن گفت و شنید کو کلی طور پر مسترد کر رہی ہے۔

☆ مصر، اردن، لبنان، شام، الجزائر، تیونس اور سوڈان جیسے عرب ممالک میں بھی ایسی ہی اسلامی تحریکیں کام کر رہی ہیں جو حماس اور جہاد اسلامی کا جزو لاینفک ہیں۔ یہ تحریکیں اس وقت ان عرب ممالک کی حکومتوں کے لیے سنگین خطرہ بنتی جا رہی ہیں۔ اب چند سال سے ان تحریکوں نے یورپ اور امریکہ میں بھی اپنی شاخیں قائم کر لی ہیں۔

☆ ایران اور سوڈان تمام شدت پسند تحریکوں کو مسلح تربیت اور تائید فراہم کر رہے ہیں۔ ایسی صورت حال میں ان اسلام کے متوالوں کو اپنا کام کرنے کی اجازت دینا اور اس کے لیے انھیں قانونی جواز فراہم کرنا انھیں ناقابل شکست بنا دے گا۔ اس لیے ان تحریکوں کے تمام تر سیاسی حقوق پر سختی سے پابندی لگا دینی چاہیے۔

☆ تمام اسلامی تحریکیں، وہ معتدل ہوں یا شدت پسند، ان کے ساتھ گفتگو اور مذاکرات کے ذریعے معاملات طے کیے جا رہے ہوں یا اسلحے کے ذریعے، سب کی سب ایسا خطرہ ہیں جسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ضروری ہے۔

☆ اسلامی تحریکوں سے نمٹنے کا مناسب ترین طریقہ یہی ہے کہ انھیں ان کے خون میں نہلا دیا جائے۔ عراق اور شام نے ان تحریکوں کے اجتماعی قتل عام کے ذریعے ایک مثالی پالیسی اپنائی تھی۔

☆ گزشتہ چند دہائیوں سے عالم اسلامی کی بگڑتی ہوئی اقتصادی صورت حال نے اسلامی تحریکوں کی تقویت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ سوشلزم کے زمیں بوس ہونے سے ایک نظریاتی خلا بھی وجود میں آگیا اور عرب حکومتوں کی داخلی اور خارجہ پالیسیوں کی ناکامی بھی واضح ہوتی چلی گئی۔ اس صورت حال نے مسلمانوں کو "ریڈیکل" اسلام کی طرف دھکیل دیا اور انھیں یہ امید ہونے لگی کہ اسلام ہی ان کے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔

اسرائیلی وزارت دفاع نے اس امر کا بھی خصوصی ذکر کیا ہے کہ اسلامی تحریکوں نے اپنی دعوت قرآنی اصول و مبادی پر استوار کی ہے۔ جس سے خود بخود ایک عظیم اسلامی سلطنت (امت اسلامی) کے قیام کا تصور ابھرتا ہے۔ اور اسی نقطہ آغاز سے آگے بڑھتے ہوئے اسلامی تحریکیں اسرائیل کو شیطان اصغر قرار دیتی ہے اسے ملیامیٹ کر دینے کا اعلان کرتی ہیں، اور اب اپنی اس مقدس جنگ کا دائرہ امریکہ اور

یورپ تک بڑھا رہی ہیں۔

اسرائیلی رپورٹ کے مطابق اسلامی تحریکوں کے بڑھتے ہوئے اثرات صرف مغرب کے لیے ہی نہیں مشرق وسطیٰ اور افریقہ کی متعدد حکومتوں کے لیے بھی خطرہ بن چکے ہیں۔ اسلامی تحریکیں ان حکومتوں کے خلاف پارلیمانی انتخابات میں شریک ہو کر بھی اپنی لڑائی لڑ رہی ہیں اور دہشت گردی کی مختلف کارروائیوں کے ذریعے بھی۔ اپنی انہی کارروائیوں کے نتیجے میں اب یہ تحریکیں اپنے اپنے ممالک کی داخلی و خارجہ پالیسیوں پہ اثرانداز ہو رہی ہیں۔ عرب ممالک کے اسرائیل کو تسلیم کرنے اور امن مذاکرات میں عربوں کے نرم رویے کی راہ میں یہی تحریکیں آڑے آ رہی ہیں۔

پھر مختلف ممالک کا علاحدہ علاحدہ جائزہ لیتے ہوئے رپورٹ کہتی ہے:

☆ مصر: حکومت اور تحریک اسلامی کے حالیہ چشمک کا آغاز اس صدی کے آغاز میں ہوا تھا جب حسن البنا نے اخوان المسلمون کی بنیاد رکھی۔ اس وقت سے لے کر آج تک حکومت اور اخوان میں آمنے سامنے کے متعدد مواقع آئے۔ کئی مواقع پہ حکومت نے اخوان کو سختی سے کچلا۔ لیکن حالیہ امن معاہدے اور امن مذاکرات میں مصر کے قائدانہ کردار کے باوجود اور اس امر کے باوجود کہ تمام عرب ممالک میں سے مصر ہی اسرائیل کے ساتھ صلح و آشتی کی راہ پر سب سے آگے ہے' مصر کی بنیاد پرست تنظیموں کی سرگرمیوں میں کوئی کمی یا کمزوری نہیں آئی بلکہ ان میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ اس وقت مصری حکومت کو جس امر پہ سب سے زیادہ توجہ دینا چاہیے وہ ان بنیاد پرست تنظیموں سے نمٹنا ہے کیونکہ اقتصادی بدحالی اور ایرانی و سوڈانی سرپرستی کی وجہ سے ان تنظیموں کی قوت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اسی کی وجہ سے مصر میں سیاحت کو بہت نقصان پہنچا ہے۔

☆ الجزائر: شمال مغربی افریقہ کے عرب ممالک کے حلقے میں سب سے کمزور کڑی ہے جو کسی بھی وقت اسلامی بنیاد پرستوں کے ہاتھ میں جا سکتی ہے۔ اس صورت حال کی بنیادی وجہ اقتصادی بدحالی اور مغرب کے خلاف طویل معاندانہ رویہ ہے۔ الجزائر اس حقیقت کی سب سے روشن مثال ہے کہ اگر اسلامی تحریکوں کو سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دی گئی تو وہ پارلیمانی انتخابات کے ذریعے قوت حاصل کر سکتی ہیں۔

☆ شام میں اسلامی بنیاد پرستوں اور حکومت میں مخاصمت کا عروج "حماۃ" شہر میں ہونے والی لڑائی تھی۔ "حماۃ" اخوان المسلمون کا مرکز تھا جس حکومت نے اس شہر پہ ہلہ بولتے ہوئے ۳۰ ہزار کے قریب افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا جبکہ ۸ ہزار فوجی بھی ہلاک ہوئے۔ اس وقت سے وہاں اسلامی تحریک بہت کمزور ہے۔ یہ کوشش ہے کہ شام میں ایک ایسی دینی جماعت تشکیل دی جائے جو براہِ راست حکومتی سرپرستی میں کام کرے۔

☆ سوڈان: اسلامی نظام کے نفاذ کا عمل ۱۹۸۸ سے شروع ہے۔ اب وہاں مکمل اسلامی نظام نافذ ہے۔ شراب نوشی مطلقاً ممنوع ہے۔ تمام دفاتر و مدارس نماز کے اوقات میں بند ہوتے ہیں اور تمام اسلامی سزائیں نافذ ہیں۔ سوڈان کے ایران کے ساتھ خصوصی تعلقات ہیں اور ایران سوڈان کو بھرپور مالی 'فوجی امداد دیتا ہے۔ ہزاروں ایرانی فوجی سوڈان کے ساتھ جنوب کی لڑائی میں شریک ہیں۔ سوڈان بھی ایران کی طرح اپنا اسلامی انقلاب دنیا بھر کو برآمد کرنا چاہتا ہے۔

اسرائیلی وزارت دفاع کی تیار کردہ رپورٹ کے یہ چند حصے باقی تمام عالم کے متعلق اس کے نقطہ نظر کی نشان دہی کے لیے کافی ہیں۔ اردن' لبنان' عراق اور ایران کے متعلق اسرائیلی جذبات ان اشارات سے مختلف نہیں ہیں۔

اسرائیل اسلامی تحریک کی بڑھتی ہوئی قوت سے خوفزدہ ہے اور حقائق سے آنکھیں چرا کر اسے اقتصادی بدحالی کا شاخسانہ قرار دے رہا ہے لیکن بجائے اس کے کہ اس اقتصادی بدحالی کا مداوا کروانے کی سعی کرے تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری' وہ یہ تقاضا کر رہا ہے کہ اسلامی ممالک کی حکومتیں اسلامی تحریکوں کو کچل ڈالیں۔ اب یہ فیصلہ خود ہمیں کرنا ہے کہ ہم اپنی قوت سے آشنا ہوتے ہوئے اپنی جدوجہد کو تکمیل کے مراحل تک پہنچانے کی سعی کرتے ہیں یا اپنے حکمرانوں کے اسرائیل نواز اقدامات کا انتظار کرتے ہیں جن کا آغاز اسرائیل کو تسلیم کرنے سے بھی ہو سکتا ہے۔

مصر: اخوان پھر ابتلا میں

محمد ایوب منیر

حسن البنا شہید کی سرزمین مصر میں 'جمال عبدالناصر کے جانشین آج اپنی تاریخ دہرا رہے ہیں اور اخوان المسلمون کا راستہ روکنے کے لیے ہر طرح کے حربے آزما رہے ہیں۔ غیر ملکی مبصرین کے یہ جائزے بین الاقوامی پریس میں شائع ہو چکے ہیں 'کہ اگر نومبر کے انتخابات منصفانہ ہوئے تو اخوان المسلمون حکومت بنانے کی پوزیشن میں آسکتی ہے۔ اس صورت حال میں انتخابات کے منصفانہ ہونے کا کیا سوال ہے۔ ڈھونگ رچانے کی تیاریاں جاری ہیں۔ وہ مغرب جو اسلامی تحریکوں کے بارے میں اس تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ یہ ایک دفعہ اقتدار میں آکر اس سے دستبردار نہیں ہوں گے' اپنے پروردہ سیکولر جمہوریت کا نام لینے والے حکمرانوں کو' عوام کی مرضی کے خلاف ان پر مسلط رکھنے میں پورا کردار ادا کر رہا ہے۔

مصر میں حکمرانوں کے ظلم و جبر سے عاجز آئے ہوئے اسلام کے نام لیواؤں نے الجماعت الاسلامیہ قائم کر کے سیاحوں اور پولیس کو اپنا ہدف بنایا۔ اس کے جواب میں فوج' پولیس اور

ریاست کی پوری طاقت نے بڑے پیمانے پر ان کے خلاف کارروائیاں کیں اور ہزاروں بے گناہ شہید کیے گئے اور جس ظلم کا بھی تصور کیا جاسکتا ہے وہ ان پر روا رکھا گیا۔ ۵۰ ہزار سے زائد شہری جیلوں میں ہیں لیکن انسانی حقوق کی کسی تنظیم کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی۔

اخوان المسلمون نے مکمل طور پر قانون کے دائرہ میں رہ کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور ۸۴ ، ۸۷ اور ۸۹ کے قومی اور ۹۲ کے بلدیاتی انتخابات میں 'عمل پارٹی' کے نام سے حصہ لیا کیونکہ اخوان پر سیاسی سرگرمی کی پابندی تھی۔ اخوان نے اپنی دعوت کو عام کرنے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ ڈاکٹروں کی ، وکلا کی ، اساتذہ کی اور دیگر پیشہ ورانہ تنظیموں میں رسوخ حاصل کیا۔ تعمیری کارکردگی سے مقبولیت میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ قدرتی آفات مثلاً قاہرہ کے زلزلہ (۱۹۹۲) کے موقع پر حکومت سے بہت زیادہ رفاہی کام کر کے عوام کے دلوں میں جگہ بنائی۔ حسنی مبارک کی حکومت اور اس کے مغربی سرپرست اخوان کی مقبولیت سے خائف ہیں اور اب نومبر کے انتخابات سے کافی پہلے ہی مختلف اقدامات کے ذریعے اخوان کا راستہ روکنے کی کوشش کی جاری ہے۔

اخوان المسلمون کے ۱۵۰ سے زائد ایسے قائدین کو گرفتار کیا جا چکا ہے جو انتخابات میں اخوان کے نمایندے ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے ۴۹ کو ۸ ماہ گرفتار رکھنے کے بعد 'فوجی عدالتوں کے سپرد کر دیا گیا ہے تاکہ حسب منشا ان کو سزائیں دلوا کر انتخابات میں اخوان المسلمون کا راستہ روک دیا جائے۔ ان شخصیات میں ۹ سابق ممبران اسمبلی ، ۷ پروفیسر ، ۱۱ انجینئر ، ۴ بینکار ، ۷ پیشہ ورانہ تنظیموں کے نمایندے اور ۱۱ نوجوان طالب علم ہیں۔ صدر حسنی مبارک نے ، جو مسلح افواج کے سربراہ بھی ہیں ایک اعلیٰ سطحی اجلاس میں کارپردازان حکومت کو ہدایت کی ہے کہ 'ان' کا ایک آدمی بھی اسمبلی میں نہ پہنچنے پائے۔

دسمبر ۱۹۹۴ میں اخوان المسلمون کے خلاف تازہ ترین کارروائی کا آغاز ہوا۔ حکمت عملی یہ تھی کہ اخوان المسلمون کے قائدین کو شدید تشدد اور تعذیب کا شکار بنایا جائے تاکہ پوری تنظیم ردعمل کے طور پر تشدد کی کارروائیوں پر اتر آئے اور ریاستی کارروائی کا جواز فراہم ہو۔

احمد محمد ابو حسنین کو گرفتار کیا گیا کیونکہ انھوں نے ایک ایسی کتاب شائع کی تھی جس میں عورتوں کے حوالے سے اخوان کی پالیسی پر ایک باب تھا۔ ڈیڑھ ماہ تک ان کے نازک اعضا پر بجلی لگائی گئی۔ مصطفیٰ سالم پر الزام تھا کہ وہ اپنے سکول میں لڑکیوں پر 'حجاب' کی پابندی لازم قرار دیتے ہیں۔ ان پر تشدد کر کے ان کے اعضا توڑ دیے گئے۔ مصطفیٰ درویش کو ایئرپورٹ سے گرفتار کیا گیا اور کہا گیا کہ تم اخوان کے لیے اسلحہ حاصل کرنے البانیہ جا رہے تھے۔ ۱۵ نوجوانوں کو گرفتار کر کے صحرا کے قید خانے میں محصور کر دیا گیا اور بغاوت کے اعتراف نامے پر دستخط کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ایک اخبار کے ایڈیٹر کو نصف رات کو گھر سے اٹھا لیا گیا اور پندرہ روز تک قید خانے کے اندر بیت الخلا کے اندر محبوس رکھا

گیا اور احکام نہ ماننے پر گھر کی خواتین کو بے آبرو کرنے کی دھمکی دی گئی۔

عمل پارٹی کے سربراہ ابراہیم شکری' وفد پارٹی کے سربراہ فواد سراج الدین' اخوان المسلمون کے نمایندے محمد المامون الہضیبی' نصیری پارٹی کے سربراہ ضیاء الدین داؤد' تجمع پارٹی کے سربراہ خالد محی الدین' احرار پارٹی کے سربراہ مصطفی کامل مراد' مصر العربی کے سربراہ جمال ربیع' خضر پارٹی کے سربراہ کمال کبیرہ اور مصری کمیونسٹوں کے نمایندے ابراہیم ابدراوی نے مصری صدر کے نام ایک مشترکہ یادداشت بھیجی اور خصوصی عدالتوں کے قیام کو انصاف و عدل کے منافی قرار دیا اور مطالبہ کیا کہ آیندہ انتخابات کے منصفانہ انعقاد کے لیے گرفتار شدگان کو رہا کیا جائے' اور الزام ہونے کی صورت میں سول عدالتوں میں مقدمات چلائے جائیں۔

حکومت نے پریس پر مزید پابندیاں عائد کی ہیں' کسی ایسی خبر کی اشاعت پر جس میں صدر مملکت' حکومتی پارٹی' یا سرکاری پالیسی کے خلاف 'بغاوت' پائی جاتی ہو' ۵ سے ۱۰ سال تک کی قید اور ۲۰ ہزار مصری پاؤنڈ تک جرمانہ ہو سکتا ہے۔ صدر مملکت نے صدارتی حکم نامہ کے ذریعے اس قانون کی توثیق کر دی ہے۔

مغربی ممالک میں اخوان المسلمون کے ترجمان کمال هلباوی نے ایمینسٹی انٹرنیشنل کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا: اخوان المسلمون مصر یقین رکھتی ہے کہ عام انتخابات کے ذریعے حکومت میں تبدیلی لائی جائے۔ حکومت کے کسی ادارے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ سیاسی پارٹی کے قیام پر پابندی لگائے۔ سیاسی اجتماع کرنے اور لوگوں کو اس میں شرکت پر تیار کرنے کے لیے کوئی پابندی لگانا بلاجواز ہے۔ فوج کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنا خلاف ضابطہ ہے۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ عدالتوں کو بالکل آزاد رکھا جائے' خصوصی عدالتیں فی الفور ختم کی جائیں۔ انتظامیہ کو عدلیہ سے الگ کیا جائے' سول ججوں کے علاوہ سزا دینے کا اختیار کسی کو نہ ہو۔ پولیس صرف وزرا کی حفاظت نہ کرے بلکہ عام مصری عوام کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہو۔ عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ اجتماع' جلوس' اخبار اور ٹی وی کے ذریعے اپنی رائے دوسروں تک پہنچائیں۔

ملت اسلامیہ کی بدنصیبی یہ ہے کہ جمہوریت کے نام نہاد علمبردار ہی اس کو بنیادی جمہوری حقوق سے محروم رکھے ہوئے ہیں۔ الجیریا کی مثال تو روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اسی نومبر میں الجیریا میں بھی 'انتخابات' ہو رہے ہیں جن کا تمام پارٹیوں نے بائیکاٹ کیا ہے۔ اب ترکی میں بھی اس کی تیاریاں ہیں کہ جائز ناجائز ہر ذریعے سے رفاہ پارٹی کا راستہ روکا جائے۔ بنگلہ دیش میں بھی جلد انتخابات متوقع ہیں۔ اہم اسلامی ممالک میں تحریک اسلامی کو یہی چیلنج درپیش ہے کہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کے بعد' پرامن اور جمہوری ذرائع سے حکومت و اقتدار میں اس کا اظہار کس طرح ہو۔ جو بات مغربی ممالک

میں ایک روزمرہ امر ہے وہی یہاں ایک لاینحل مسئلہ ہے۔ حکمران مافیا کی طرح کرسیوں پر مسلط ہیں اور اپنی ہی قوم کو قتل و غارت گری کا شکار بنانے میں کوئی تکلف نہیں کرتے۔ اس صورت حال نے ترقی اور خوشحالی کی راہیں مسدود کر دی ہیں۔ قوموں کی ساری توانائیاں باہمی کشمکش میں ضائع ہو رہی ہیں لیکن اس جدوجہد میں بالاخر حق کو غالب ہونا ہے۔ کشمکش کا یہ دور جلد گزرے گا اور عوام کی مرضی بروئے کار آکر مسلم ممالک میں عوام کی آرزوؤں اور امنگوں کے مطابق حکومتیں قائم ہوں گی۔ مغرب کے اہل دانش، خیرخواہوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی حکومتوں کو یہ مشورہ دیں کہ وہ مسلم ممالک میں حقیقی جمہوریت کو پھلنے پھولنے دیں اور غیر مقبول اور ظالم حکمرانوں کا ساتھ چھوڑ دیں۔

پاکستان / براؤن: پریسلر کا دوسرا چہرہ

مسلم سجاد

امت مسلمہ کا ایک اہم ملک پاکستان، امریکہ کے ایسے روایتی دوستوں میں ہے کہ دوست کچھ بھی ستم کرلے، یہ خوئے وفاداری ترک نہیں کرتا۔ صرف پاکستان کو سبق سکھانے اور راہ راست پر لانے کے لیے، یعنی اس کا نیوکلیر پروگرام ترک کروانے کے لیے، پانچ سال قبل پریسلر ترمیم کے ذریعے ہر طرح کی فوجی اور اقتصادی امداد پر پابندی لگائی گئی حتیٰ کہ جن ۲۸ ایف۔۱۶ جہازوں کی قیمت ۶۴ء ۱ بلین ڈالر ادا کر دی گئی تھی، وہ بھی نہیں دیے گئے۔ اب بے نظیر کے دورے کے موقع پر قول و قرار، اور واقفان حال کے مطابق کافی کچھ سیاسی قیمت وصول کرنے کے بعد براؤن ترمیم منظور کی گئی ہے۔ اسے حکومت پاکستان اپنی فتح عظیم اور مبین قرار دے رہی ہے لیکن اس کے ذریعے نہ خریدے ہوئے ایف۔۱۶ حوالے کیے جا رہے ہیں، نہ ان کی قیمت واپس کی جا رہی ہے اور نہ معاشی امداد بحال کی گئی ہے۔ اسلحہ کی فروخت پر پابندی بھی برقرار رہے گی بلکہ اس ترمیم کی ایک شق کے ذریعے امریکی فوج کو "فوجی رابطوں" اور "قیام امن" کے لیے پاکستان بلا روک ٹوک آزادانہ آنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس میں جو معانی پنہاں ہیں، رموز مملکت سے آگاہ اس کا قیاس کر سکتے ہیں۔ پاکستان کو اپنی ادا شدہ قیمت پر ۷ کروڑ ڈالر سالانہ سود کا جو نقصان ہوا ہے، اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ غالباً بے نظیر حکومت، امریکہ سے معاملہ کرتے ہوئے، شریعت اسلامی کے مطابق، سود لینا حرام سمجھتی ہے۔ حکومت امریکہ اصل رقم اس صورت میں واپس کرنے کو تیار ہے کہ کوئی دوسرا ملک ان ایف۔۱۶ جہازوں کو خرید لے۔ ان شرائط پر خوشی کوئی پاکستان کی حکومت ہی منا سکتی ہے۔

آج تک کوئی یہ بتانے والا نہیں ہے کہ یہ قیمتی اور مہنگے جہاز خریدنے کا فیصلہ ہی کیوں کیا گیا۔

اور جب حکومت امریکہ نے ان کو فروخت پر قانون کے ذریعے پابندی لگا دی تو پھر بھی ان ہی کے پیچھے کیوں لگے رہے۔ اس سے سستے اور بہتر جہازوں کی طرف کیوں نہیں گئے۔ کیا اس لیے کہ کمیشن کی رقم متعلقہ بنک کھاتوں میں جمع کی جا چکی تھی۔

ایف - ۱۶ خریدنے کا فیصلہ کیوں کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اصل کامیاب اور بہتر جہاز ایف - ۱۵ تھا۔ جو آج دو عشروں کے بعد بھی دنیا کا بہترین لڑاکا جہاز مانا جاتا ہے۔ اسے تحفظ دینے کے لیے اور دوسرے ملکوں کو محروم رکھنے کے لیے کمتر ایف - ۱۶ کے گن گائے گئے اور ۱۷ ملکوں کو ۳ ہزار سے زائد فروخت کر دیے گئے۔ حب وطن کا تقاضا تھا کہ ہمارے ماہرین دھوکے اور لالچ میں آئے بغیر' متبادل جہازوں کا سودا کرتے' جب کہ ہم نقد ادائیگی کر رہے تھے۔ اب ایف - ۱۶ کی طلب ختم ہو چکی ہے۔ خریدار ملنا مشکل ہے۔ ماہانہ پیداوار ۱۲ سے گر کر ۳ رہ گئی ہے۔

پریسلر براؤن کے سارے معاملے کا ایک ہی ہدف ہے۔ پاکستان کو نیوکلیر طاقت بننے سے اور سیاسی طور پر خود مختار بننے سے روکنا۔ جب پریسلر ترمیم سے مکمل ہدف حاصل نہ ہوا تو اب براؤن ترمیم کے ذریعے کوشش کی جا رہی ہے۔ جنرل (ر) خالد محمود عارف کے مطابق ملک کا ہر ٹیکسی ڈرائیور اور حجام بھی جانتا ہے کہ اتنی معمولی رعایت کے لیے ہم نے کیا قیمت ادا کی ہے۔ معمولی فائدوں کے لیے بہت کچھ قربان کر دیا گیا ہے۔ امریکی حکام نے اس کو راز نہیں رکھا کہ پاکستان کے ساتھ ان کی پالیسی 'امداد' دینا یا نہ دینا' اسی ایک مقصد کے لیے ہے کہ پاکستان نیوکلیر نہ ہو۔ ۱۹۸۹ کے بعد سے یورینیم افزودگی منصوبہ پر کوئی کام نہیں ہوا ہے۔ بھارت نے ۲ ہزار ۳ سو نیوکلیر اسلحوں کے لیے پلوٹینیم تیار کیا ہے اور ہم نے صرف ۱۰ کے لیے۔

اس طرح کے نازک حساس قومی معاملات میں مقابلہ کرنے کے لیے حکمرانوں اور قوم کا باہمی اعتماد ناگزیر ہے۔ حکمران پرعزم ہوں' قومی عزائم سے مخلص ہوں تو ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر حکمران قومی مقاصد فروخت کرنے کے لیے تیار ہوں' تو موجودہ اور آیندہ نسلیں غلامی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ آج پاکستان کی آزادی رہن رکھی جا چکی ہے۔ وسط ایشیا کے ممالک اور ایران کے ساتھ ہماری پالیسی ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ یہ صورت حال ایک آزاد خود مختار ملک کے' خصوصاً مسلمان ملک کے' کسی بھی طرح شایان شان نہیں۔ پاکستان کے عوام کو ملک کے بہی خواہوں کو جاگنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کوئی ان کی تقدیر سے نہ کھیلے اور وہ یہ وطن' اپنی آیندہ نسل کو آزاد حالت میں منتقل کریں۔

رسائل و مسائل

ہڑتال کا جواز

گزشتہ آٹھ سال سے ایک ہائی سکول میں استاد ہوں۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ اپنے مطالبات کی منظوری کے لیے اکثر ہڑتالوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ساتھیوں کی ناراضی کے باوجود میں نے کبھی ہڑتال میں حصہ نہیں لیا ہے کیونکہ میرے خیال میں بغیر مزدوری اجرت لینے کا تصور غالباً کسی مذہب میں بھی نہیں ہے۔ ہڑتال کی شرعی حیثیت واضح کریں کیونکہ جماعت بھی اکثر ہڑتالوں کا مطالبہ کرتی رہتی ہے۔

تمہیداً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ پاکستان کا موجودہ معاشی، معاشرتی اور سیاسی نظام غیر اسلامی اصولوں پر قائم ہے، جس کی وجہ سے زندگی کے ہر شعبے میں بے اعتدالی و بے انصافی اور خود غرضی و مفاد پرستی کے جراثیم پھیلے ہوئے ہیں۔ معیشت اور حکومت کا سارا نظام ظلم و استحصال پر مبنی ہے۔ ایک جانب سے کوشش یہ کی جاتی ہے کہ کام زیادہ سے زیادہ لیا جائے اور اجرت کم سے کم دی جائے اور دوسری جانب سے کوشش کی جاتی ہے کہ کام کم سے کم کیا جائے اور اجرت زیادہ سے زیادہ طلب کی جائے۔ ہر ایک دوسرے کا استحصال کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے، لیکن زیادہ ظلم کلرکوں اور چھوٹے ملازمین پر ہوتا ہے کہ ان کو کم سے کم منصفانہ اجرت بھی نہیں ملتی اور حکومت کے وزیروں، مشیروں اور بڑے افسروں کی تنخواہیں اور مراعات قومی آمدن کے اعتبار سے ان کے اصل حق سے بھی بہت زیادہ ہیں۔ اس ظالمانہ اور غیر عادلانہ معاشی تفاوت کے نتیجے میں باہمی اخوت کی بجائے رقابت اور تعاون کی بجائے تباغض کے جذبات ابھرتے ہیں اور مظلوم کو جب بھی موقع ملتا ہے وہ ظالم کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے، ہڑتالیں ہوتی ہیں، لاٹھیاں برستی ہیں، آنسو گیس پھینکی جاتی ہے اور گولیاں چلتی ہیں۔ اس صورت حال کے نتیجے میں فساد فی الارض رونما ہوتا ہے اور امن و امان کی صورت حال خراب ہونے کی وجہ سے مزدور، کلرک اور غریب کی روٹی، کپڑا اور مکان تینوں اور زیادہ مہنگے ہو جاتے ہیں۔ ظلم و استحصال کے اس نظام سے نکلنے کا واحد علاج یہ ہے کہ اس پورے نظام کو ختم کر کے اسلام کا عادلانہ نظام لایا جائے تاکہ ہر ایک کو اس کا حق مل سکے اور کوئی کسی کا استحصال نہ کر سکے۔

لیکن یہ نظام تب آئے گا جب کلرکوں، ملازمین حکومت، مزدوروں، کسانوں، مردوں، عورتوں، علماو مشائخ، نوجوانوں، بوڑھوں، اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد میں اس نظام کی طلب، تڑپ اور پیاس پیدا ہوجائے گی۔ ضرورت اسی تڑپ اور شعوری طلب پیدا کرنے کی ہے۔

اب لیجیے آپ کا سوال

ملازمت خواہ حکومت کی ہو نجی اداروں کی ہو یا اشخاص کی ہو، دراصل ایک عقد اور معاہدہ ہے جو آجر اور اجیر کے درمیان ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کے درمیان جو معاملہ ہوا تھا، قرآن میں اس کو معاہدہ کہا گیا ہے۔ قال ذالک بینی و بینک "موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ معاہدہ ہے میرے اور تیرے درمیان"۔ فقہا نے بھی لکھا ہے کہ الاجارۃ عقد علی المنافع بعوض "اجارہ ایک معاہدہ ہے جو معاوضے پر کسی شخص یا کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کے لیے کیا جاتا ہے"۔ اسلام نے اس معاہدے کے فریقین کو ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ آجر کو ہدایت کی گئی ہے کہ خادم اور نوکر تمھارے زرخرید غلام نہیں ہیں بلکہ تمھارے بھائی ہیں، جو خود کھاتے ہو ان کو بھی کھلاؤ، جو خود پہنتے ہو ان کو بھی پہناؤ اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو، اور اگر ڈال ہی دیا ہو تو ان کی مدد کرو۔ اجیر کو متنبہ کیا گیا ہے کہ مالک کا مال اور اس کا کام تمھارے پاس امانت ہے جس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا (بخاری و مسلم)۔ آجر اور اجیر دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اس لیے آجر کا اجیر پر کوئی خصوصی احسان نہیں ہے اور دونوں کو باہمی تعاون اور خیرخواہی کے سچے جذبے کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔

جب ملازمت ایک معاہدہ ہے تو منصفانہ اجرت اور کام کی نوعیت طے کرنے میں آجر اور اجیر دونوں کی رضامندی ضروری ہے اور دونوں ان شرائط کے پابند ہوں گے جو معاہدے کے وقت طے کی گئی ہیں یا جو عرف عام میں معروف ہیں بشرطیکہ وہ قرآن و سنت کے صریح احکام کے خلاف نہ ہوں۔ آج کل منصفانہ اجرت طے کرنے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے ہڑتال عرف عام میں ایک مسلمہ اور معروف حق ہے جو معاہدے میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح ایام تعطیلات کی تنخواہ اور دوسری مراعات معاہدے میں شامل ہوتی ہیں اور ان ایام میں کام کیے بغیر ملازم تنخواہ کا حق دار ہوتا ہے جیسا کہ معروف ہے اور فقہا نے بھی تعطیلات کے دنوں کی تنخواہ کو جائز قرار دیا ہے۔ (مجموعہ شامی، ج ۳، ص ۳۸۰)۔

اسی طرح اپنے جائز مطالبات اور منصفانہ اجرت کے حصول کے لیے احتجاج کرنا اور ہڑتال کرنا جائز ہے اور احتجاج و ہڑتال کے ایام کی تنخواہ لینا بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی عرف عام میں معروف ہے اور معاہدے میں شامل ہے۔ البتہ ایسی ہڑتال کرنا جس کے نتیجے میں بدامنی، انتشار، تشدد

دہشت گردی پھیلتی ہو اور فساد فی الارض رونما ہوتا ہو یا اس کے ذریعے اپنے مطالبات دباؤ کے ذریعے منوانا مقصود ہوں جو قومی آمدن کے اعتبار سے منصفانہ نہ ہوں اور اپنے مطالبات کرنا اور ان کے لیے احتجاج اور ہڑتال کرنا معاہدے کی شرائط میں شامل بھی نہ ہو تو اس کی اجازت شریعت نہیں دیتی اور یہ اخلاقاً بھی جائز نہیں ہے۔ یہ تو ہوئی سرکاری یا نجی اداروں کے ملازمین کی ہڑتال کی بات۔ باقی رہی ملک کے عام تاجروں، ٹرانسپورٹروں اور زندگی کی دوسری سرگرمیوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ہڑتال، احتجاج اور مظاہرے تو اخلاق و قانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے پرامن طور پر ان چیزوں کے ذریعے جائز مطالبات منوانے اور عوام کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کی کوشش کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ دور حاضر کے معروف طریقے ہیں اور اسلام میں ان کی ممانعت کی دلیل موجود نہیں ہے۔ اسی طرح حکومت کا احتساب کرنا، اس کو عدل و انصاف پر قائم رکھنے یا اگر اصلاح پذیر نہ ہو تو اس کو ہٹانے اور بدلنے کے لیے پرامن مظاہروں، ہڑتالوں اور رائے عامہ کا دباؤ ڈالنا عہد حاضر کے معروف طریقے ہیں اور اگر مسلح بغاوت نہ ہو، تشدد و دہشت سے کام نہ لیا جائے، مطالبات و مقاصد جائز ہوں اور حکومت فاسق و ظالم ہو تو شریعت میں بھی اس کی ممانعت نہیں ہے بلکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک جدید انداز ہے جسے اختیار کرنا چاہیے۔ (گوہر رحمان)

وراثت کا ایک مسئلہ

ہم چار بھائیوں کی ایک بہن تھی جن کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہو گیا ہے اور بہن کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی زندگی میں ایک وقت ایسا آیا جب ان کے خاوند بیمار ہو گئے (ان کا بھی اب انتقال ہو چکا ہے) تو انھوں نے اپنی اولاد کو محروم کرتے ہوئے اپنی ساری جائداد اپنی زندگی میں اپنی بیوی یعنی ہماری بہن کے نام کر دی۔ پھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ وہ تو صحت یاب ہو گئے لیکن ہماری بہن انتقال کر گئیں۔ وہ اپنے حقیقی وارثوں کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ ہماری ہمشیرہ کے انتقال کے بعد موجودہ پاکستانی قانون وراثت کے تحت آدھی زمین ہم چار بھائیوں کے نام آجاتی ہے اور آدھی زمین ان کے شوہر کے نام منتقل ہو جاتی ہے اور ہم نے اس زمین کا قبضہ وغیرہ بھی لے لیا ہے اور اب وہ آدھی زمین ہمارے تصرف میں ہے۔ اب میرے تین سوال ہیں:

۱۔ میں حقیقی اسلامی روح کے مطابق اس زمین کا حقدار ہوں یا نہیں جو ہم چار بھائیوں یا میرے حصے میں آئی ہے؟

۲۔ جو زمین میرے حصے میں آئی ہے اگر میں اس کا اسلامی روح کے مطابق حقدار نہیں ہوں تو کیا مجھے وہ زمین اس کے حقیقی وارثوں کو واپس کر دینی چاہیے؟

۳۔ اگر میں اس زمین کا حقدار نہیں ہوں تو کیا اسلامی قانون وراثت مجھے یہ اجازت دیتا ہے کہ میں وہ زمین حقیقی وارثوں کے حوالے نہ کروں بلکہ وہ زمین، یا اسے فروخت کر کے اس سے حاصل کی ہوئی رقم

کو اس شخص کے نام پر جس کی زمین تھی کسی صدقہ جاریہ میں لگا دوں؟

اصل جواب سے پہلے آپ چار اصول اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے' اس لیے کہ جواب انھی چار اصولوں پر مبنی ہے۔

اصل اول: صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص مرض موت کی حالت میں کسی وارث کو ہبہ کے طور پر کوئی چیز ملکاً دے' یا اس کے لیے وصیت کرے' تو اس ہبہ اور وصیت کے معتبر اور نافذ ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ دوسرے وارث اجازت دے دیں اور راضی ہو جائیں۔ ورنہ یہ ہبہ اور وصیت بے اثر ثابت ہوں گے۔ لیکن جس مرض سے مریض صحت یاب ہو جائے وہ مرض موت شمار نہیں ہو گا اور اس میں کیے گئے تصرفات بیع' ہبہ یا وصیت کا حکم وہی ہو گا جو صحت کی حالت میں دیے گئے ہبہ یا کی گئی وصیت کا ہے (ھدایہ باب العتق فی مرض الموت)

اصل دوم: حالت مرض میں ایسا عمل کرنا یا ایسی وصیت کرنا جس سے شرعی وارثوں کو نقصان پہنچتا ہو' سخت گناہ ہے' خواہ وہ وارث اس مورث کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہوں یا برا سلوک کرتے ہوں۔ اللہ و رسول کے مقرر کردہ وارثوں کو محروم کرنے یا ان کو نقصان و ضرر پہنچانے کے لیے کوئی عمل یا وصیت کرنا عقل و نقل دونوں کے اعتبار سے قابل مذمت ہے۔ اس لیے کہ وارثوں کے لیے زیادہ سے زیادہ مال چھوڑ کر جانا صدقہ اور خیرات کا حکم رکھتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اصل سوم: حالت صحت میں اپنی کل جائداد یا اس کا کچھ حصہ اپنے شرعی وارثوں میں سے کسی ایک وارث کو ہبہ کرنا اور اس کے نام منتقل کرنا سخت ناپسندیدہ اور فعل مکروہ تو بالاتفاق ہے' اور آخرت میں مواخذے کا بھی شدید خطرہ ہے۔ لیکن اگر کسی نے عقل و ہوش اور صحت کی حالت میں یا اس مرض کی حالت میں جس سے وہ صحت یاب ہو گیا ہو' کسی ایک وارث کو یہ ہبہ اور عطیہ دے دیا ہو تو شرعاً یہ معتبر ہے یا نہیں' اس بارے میں ائمہ اہل سنت کا دلائل و روایات کی بنا پر اختلاف رہا ہے۔ مگر جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہونے کے باوجود یہ ہبہ نافذ ہو جائے گا اور موہوب لہ نے اگر ہبہ کردہ چیز پر قبضہ کر لیا ہو تو وہ مالک بن جائے گا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے (حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب فتح الباری شرح بخاری کتاب الہبہ باب الہبہ للولد ص ۱۴۱ تا ۱۴۳)۔

اصل چہارم: جب تک ہبہ کردہ چیز پر موہوب لہ کا قبضہ مکمل نہ ہو جائے' اس وقت تک صرف زبانی یا تحریری طور پر ہبہ کرنے سے ہبہ مکمل نہیں ہو سکتا اور جس کے نام ہبہ کیا گیا ہو اس کی ملکیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ قبضہ سے مراد صرف سرکاری کاغذات میں انتقال ملکیت کا اندراج نہیں ہے بلکہ عملاً تصرف کرنا مراد ہے' خود تصرف کرے یا وکیل کے ذریعے کرے۔

ان اصول اربعہ کی بنا پر آپ کے سوال کا جواب یہ ہے۔ اگر آپ کی ہمشیرہ نے اپنے شوہر کی ہبہ

کر دہ جائداد پر قبضہ کر لیا تھا اور شوہر یا کسی دوسرے وکیل کے ذریعے ہبہ شدہ جائداد میں تصرفات شروع کر دیے تھے تو جائداد اس کی ملکیت میں شرعاً داخل ہو گئی ہے اور اس کے مرنے کے بعد نصف حصہ اس کے شوہر کو ملے گا اور باقی نصف اس کے بھائیوں کو ملے گا۔ لیکن اگر آپ کی بہن نے مرنے سے پہلے قبضہ نہیں لیا تھا تو وہ جائداد کی مالک نہیں بنی تھی، اس لیے جائداد حسب سابق اس کے شوہر کی ملکیت ہوگی اور اس کے شوہر کے ورثہ کے طور پر ہی تقسیم ہوگی۔ گ ۔ د ۔

پگڑی کا مسئلہ

موجودہ زمانے میں اکثر لوگ مالک دوکان کو ایک متعین رقم جو جانبین میں طے ہو، دیتے ہیں اور مالک دوکان وہ رقم اپنے پاس رکھتے ہیں یا دوکان بنانے پر خرچ کرتے ہیں۔ جب دوکان تیار ہو جاتی ہے تو اس آدمی کے حوالے کر دیتے ہیں جس سے رقم لی ہو۔ اس رقم کو عرف عام میں پگڑی کہتے ہیں۔ مالک دوکان اس رقم سے علاوہ کرایہ بھی جتنا کہ طے ہو جاتا ہے وصول کرتا ہے۔ کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ دوکان میں خود کاروبار کرے یا کسی اور کو کرایہ پر دے دے اور جتنے پر چاہے دے۔ مالک دوکان کو اس میں دخل نہیں ہوتا جب تک کہ مالک دوکان وہ رقم واپس نہ کرے۔ ہاں اگر مالک دوکان رقم نہیں دیتا تو پھر کرایہ دار وہ رقم کسی اور آدمی سے لیتا ہے اور دوکان اس کے حوالے کرتا ہے۔ رقم دینے والا پہلا کرایہ دار درمیان سے نکل جاتا ہے اور مالک دوکان کا نئے کرایہ دار کے ساتھ وہ معاملہ ہوتا ہے جو پہلے مالک رقم کے ساتھ تھا۔ کوئی کرایہ دار ایسا بھی کرتا ہے کہ نئے کرایہ دار سے بجائے پچاس ہزار کم و بیش رقم لیتا ہے۔ یہ زائد رقم پہلا کرایہ دار خود لیتا ہے اور قابل واپسی نہیں ہوتی۔ براہ مہربانی مسئلے سے دونوں باتیں واضح فرمائیں کہ پہلی صورت میں جو رقم لینے والے کرایہ دار اور مالک دوکان نے لی ہے، کیا حرمت ہے کہ نہیں اور اگر ہے تو صرف مالک دوکان نے لی ہے یا کرایہ دار؟ مفت میں رقم اپنے پاس رکھتا ہے یا دونوں نے لی ہے۔ دوسری صورت میں جو زائد رقم پہلا کرایہ دار دوسرے کرایہ دار سے وصول کرتا ہو تو وہ حرام ہے یا نہیں جس کے بدلے میں اس کو دوکان مل جاتی ہے۔

۱۔ مالک مکان یا مالک دوکان طے شدہ ماہانہ یا سالانہ کرایہ کے علاوہ کرایہ دار سے جو رقم یک مشت لیتا ہے، اور کرایہ دار یہ رقم اس لیے دیتا ہے کہ اسے جو حق مل جائے، اس کا حق طویل مدت تک بحال رہے، اور مالک اس کو بے دخل نہ کر سکے، اس رقم کو برصغیر ہند و پاک میں پگڑی کہتے ہیں اور آپ کے علاقے میں اسے ثنی کہتے ہیں اور فقہ کی کتابوں میں اس کو خلو یا خلوہ کہا جاتا ہے۔ اس پگڑی کی پیشگی رقم کی دو صورتیں ہیں: ایک جائز ہے اور دوسری ناجائز ہے۔

جائز صورت یہ ہے کہ مالک مکان یا مالک دوکان اور کرایہ دار کے درمیان معاہدے (عقد) کے وقت دلی رضامندی سے طے ہو جائے کہ یہ اجارہ اتنی مدت کے لیے ہے، مثلاً ۱۰ یا ۲۰ سال کے لیے ہے، اور اس متعینہ مدت کے پیشگی کرایہ کے طور پر اتنی رقم یک مشت ادا کرنی پڑے گی اور ماہانہ

یا سالانہ کرایہ اس حساب سے اس کے علاوہ ادا کرنا ہو گا۔ یعنی پیشگی لی گئی رقم اور ماہانہ یا سالانہ کرایہ دونوں مجموعی طور پر دوکان یا مکان کا کرایہ ہو گا۔ اور مدت متعینہ سے پہلے کرایہ دار کو بے دخل کرنے کا حق مالک کو حاصل نہیں ہو گا اس لیے کہ اس نے کرائے میں سے ایک بڑی رقم پیشگی وصول کر لی ہے اور کرایہ دار نے یہ رقم ادا کر کے اپنا حق کرایہ داری محفوظ کر لیا ہے۔ اگر شرعی عذر کی وجہ سے طے شدہ مدت سے پہلے یہ معاہدہ (عقد اجارہ) ختم ہو جائے تو مالک پر لازم ہے کہ باقی ماندہ مدت کے بدلے میں یک مشت لی گئی رقم کا جتنا حصہ بنتا ہے وہ کرایہ دار کو واپس کر دے۔ یہ صورت شریعت سے متصادم نہیں ہے اور جائز ہے۔ مگر اجارۂ موقت یعنی متعینہ مدت کے لیے کیے گئے اجارے کا معاہدہ شرعی اعذار (جن کی تفصیل فقہ میں موجود ہے) کے بغیر ختم کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ قرآن کریم کا حکم ہے کہ اوفوا بالعقود "اپنے معاہدے پورے کرو"۔ اس حکم سے وہ عقود و معاہدے مستثنیٰ ہیں جو غیر شرعی شرائط پر مشتمل ہوں مثلاً سودی معاہدے یا وہ معاہدہ جو بجائے خود کسی برائی کے کرنے یا کسی بھلائی کے نہ کرنے کا معاہدہ ہو۔ اس لیے کہ ایسے معاہدے کا توڑنا واجب ہے اور پورا کرنا ممنوع ہے۔ البتہ اعذار شرعیہ کی بنا پر اجارے کا معاہدہ فسخ کرنا جائز ہے۔ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں۔ تفسخ الاجارۃ بالاعذار "اجرت کا معاہدہ عذر کی بنا پر فسخ کیا جا سکتا ہے" (ہدایہ)۔

(۲) چونکہ مذکورہ صورت میں کرایہ دار کو وقت مقررہ تک اپنا قبضہ برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے اس لیے اگر مالک شرعی عذر کے بغیر مدت اجارہ کے دوران کرایہ دار کو بے دخل کر کے دکان خالی کرانا چاہتا ہو تو اس غیر قانونی بے دخلی کی صورت میں کرایہ دار کو حق حاصل ہو گا کہ وہ پیشگی رقم کا بقایا طلب کرنے کے علاوہ کچھ مزید رقم دینے کا مطالبہ کرے۔ یہ مزید رقم حق کرایہ داری کی قیمت نہیں ہے۔ اس لیے کہ "حقوق مجردہ" کی بیع جائز نہیں ہے بلکہ یہ رقم اپنے حق سے دست برداری کے بدلے میں بطور مصالحت دی اور لی جاتی ہے۔ جب مالک غیر قانونی (غیر شرعی) بے دخلی کرنا چاہتا ہے اور کرایہ دار اس کے لیے تیار نہیں ہے کہ وقت سے پہلے دکان خالی کر دے اور اپنے حق سے دستبردار ہو جائے تو تنازعے کو رفع کرنے کے لیے فریقین باہمی رضامندی سے جتنی رقم طے کر لیں تو اس کا لینا دینا جائز ہے۔

صلح کے طور پر اپنے جائز حق سے دستبرداری کا عوض دینے کی مثالیں فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں جن سے اہل علم بخوبی واقف ہیں لیکن یہ حکم اس صورت کے لیے ہے جب عقد اجارہ متعینہ مدت کے لیے ہو۔ اس لیے کہ اگر مدت اجارہ متعین نہ ہو تو مالک جب چاہے بے دخل کر سکتا ہے۔ کرایہ دار کو قبضہ برقرار رکھنے کا حق حاصل نہیں ہے اور جب حق ہی نہیں ہے تو اس سے دستبرداری کا عوض دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۳) اگر کوئی دوسرا شخص اس دکان یا مکان کو کرائے پر لینا چاہتا ہو تو پہلے کرایہ دار کو حق حاصل ہو گا کہ وہ وقت مقررہ اور مدت متعینہ تک اپنے حق کرایہ داری سے دست بردار ہونے کا عوض طلب کرے۔ یہ عوض نہ دکان کا کرایہ ہے اور نہ دکان کی قیمت ہے۔ اس لیے کہ دکان تو کرایہ دار کی ملکیت نہیں ہے بلکہ یہ مدت متعینہ سے قبل اپنے "حق قرار" یعنی قبضے سے دستبردار ہونے کا عوض ہے جو باہمی رضامندی سے لیا اور دیا جاتا ہے۔ باقی رہی وہ رقم جو مالک کو بطور پیشگی کرایہ دی گئی تھی تو اس کا جو حصہ باقی ماندہ مدت کا بنتا ہے وہ تو کرایہ دار کا حق ہے اور جس کے لیے یہ دکان خالی کرتا ہے اس سے وصول کرے گا خواہ مالک دکان کے لیے خالی کرے یا نئے کرایہ دار کے لیے خالی کرے۔ لیکن کرایہ داری کی متعینہ مدت کے ختم ہو جانے کے بعد جب پہلا کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کے لیے دکان یا مکان خالی کرتا ہے تو اس پر عوض نہیں لے سکتا۔ اس لیے کہ مدت اجارہ پوری ہو جانے کے بعد اس کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی نے بھی اس صورت کو جائز قرار دیا ہے اور شافعیہ، مالکیہ، حنفیہ کے بعض علما و فقہا سے اس کے نظائر کا حوالہ دیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ میں نے متاخرین علما مالکیہ کا فتویٰ ایک رسالے میں دیکھا ہے جس میں مذکورہ صورت میں "خلوات" یعنی پگڑیوں کو جائز قرار دیا گیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۴ ص ۷۵۱-۷۵۲)۔

(۴) پگڑی اور انٹی کی دوسری صورت وہ ہے جو ناجائز ہے اور شریعت کے کسی قاعدے کے تحت نہیں آتی اور وہ یہ ہے کہ مکان یا مکان کا کرایہ مالک اور کرایہ دار کے درمیان الگ سے باہمی رضامندی سے طے ہو جاتا ہے مگر اس طے شدہ کرایہ پر دینے کی شرط یہ لگائی جاتی ہے کہ اتنی رقم مالک کو کرائے کے علاوہ دی جائے گی اور بالعموم قبضہ دینے سے پہلے وصول کر لی جاتی ہے۔ یہ رقم ہزاروں میں بھی ہوتی ہے اور لاکھوں میں بھی ہوتی ہے اور یہ مکان یا دکان کا پیشگی کرایہ نہیں ہوتا بلکہ ویسے ہی انٹی اور پگڑی کے نام سے وصول کی جاتی ہے۔ یہ ناجائز ہے اور ایک طرح کی رشوت ہے اور شرط فاسد ہے جو عقد اجارہ کے وقت لگائی جاتی ہے۔ پہلی صورت میں یک مشت دی گئی رقم کرائے کا ایک حصہ تھی جو پیشگی دے کر کرایہ دار نے مدت مقررہ تک اپنا حق کرایہ داری محفوظ کر لیا تھا اور مدت پوری ہونے پر معاملہ ختم ہو جاتا اور مالک و کرایہ دار کے درمیان کوئی مالی لین دین باقی نہ رہتا۔ البتہ نیا معاہدہ نئی شرائط کے ساتھ یا انھی پرانی شرائط کے ساتھ دوبارہ کر سکتے تھے۔ دوران مدت اگر کرایہ دار مالک کے لیے یا کسی اور کے لیے دکان خالی کرنے پر راضی ہو جاتا تو دست برداری کا عوض طلب کرنے کے علاوہ پیشگی دیے گئے کرائے کا باقی ماندہ حصہ بھی وصول کر سکتا تھا لیکن اس دوسری صورت میں جو رقم مالک نے لی ہے اور کرایہ دار نے دی ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی رشوت ہے جو دی گئی ہے۔ کرایہ دار کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ غیر شرعی طریقے پر دی گئی

رقم نئے کرایہ دار سے طلب کرے۔ یہ ایک مالی نقصان ہے جو اس نے خود اپنے اوپر عائد کیا ہے۔ اس کا بوجھ نئے کرایہ دار پر ڈال کر اپنا نقصان پورا کرنا نہ اخلاقاً جائز ہے اور نہ شرعاً جائز ہے۔ مسلمان تاجروں کا دینی فرض ہے کہ وہ پگڑی کے اس غیر شرعی رواج کو ختم کر کے اس کی جگہ پگڑی کی پہلی جائز صورت کو اپنانے کی کوشش کریں تاکہ غلط طریقے کی اصلاح ہو جائے اور صحیح طریقہ مارکیٹ میں مروج ہو جائے۔

(۵) ایک تیسری صورت بھی ہے جس کا مروجہ پگڑی اور لنگی سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ دور کا تعلق بھی نہیں ہے اور وہ بھی جائز ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ کرایہ دار نے دکان یا مکان میں اپنی ذاتی رقم سے چند تعمیرات کی ہوں یا استعمال کی چیزیں بنائی ہوں مثلاً الماریاں وغیرہ۔ ان تعمیرات یا اشیا استعمال (اعیان قائمہ) کو فقہی اصطلاح میں جدک اور سکنی کہتے ہیں۔ ابن عابدین شامی نے "تنقیح الفتاوی الحامدیہ" میں ان اصطلاحات کی بڑی اچھی تشریح کی ہے۔ (ج ۲، ص ۲۱۸-۲۱۹)۔ یہ چیزیں چونکہ دکان اور مکان کے مالک کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ کرایہ دار کی ملکیت ہیں اس لیے دکان خالی کرتے وقت نئے کرایہ دار سے ان چیزوں کی قیمت وصول کرنے کا اسے حق حاصل ہے۔ اور اگر فروخت نہ کرنا چاہے یا نیا کرایہ دار ان کو خریدنے کے لیے تیار نہ ہو تو ان چیزوں کو اکھاڑ کر دوسری جگہ منتقل کر سکتا ہے۔ فقہ کی بعض کتابوں میں سکنی سے متعلق بعض احکام بیان ہوئے ہیں جس سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی تھی اور بعض اہل علم کو بھی یہ غلط فہمی لاحق ہو گئی تھی کہ سکنی سے مراد پگڑی ہے اس لیے علامہ شامی نے اپنی محولہ بالا کتاب میں اور علامہ حموی ؒ نے شرح الاشباہ ج ۱، ص ۱۳۶-۱۳۸ میں پوری وضاحت فرما دی ہے کہ سکنی سے مراد وہ چیز نہیں ہے جس کو فقہ میں خلو (پگڑی اور لنگی) کہا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد "اعیان قائمہ مملوکہ" یعنی وہ چیزیں ہیں جو کرایہ دار کی ملکیت ہیں اور دکان یا مکان میں پائیدار شکل میں عملاً موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی قیمت نئے کرایہ دار سے یا مالک سے لینا بالاتفاق جائز ہے۔ (گ ز)

کتاب نما

سیرت مجمع کمالات ؐ: پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ۔ ناشر: ادارہ تعلیمات سیرت، علامہ اقبال کالونی، سیالکوٹ کینٹ۔ صفحات: ۳۸۔ قیمت: ۱۶۰ روپے۔

کمال تو یہ ہے کہ کسی کے کمال کا جتنا بھی بیان ہو جائے پھر بھی یہ احساس رہے کہ ابھی تو کچھ بھی بیان نہیں ہوا ہے۔ یہ بات اللہ کے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسی صادق آتی ہے کسی پر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں ہر زبان میں ہر صنف ادب میں سیرت نگار اپنی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ایسی ہی ایک قابل قدر کوشش پروفیسر عبدالجبار شیخ کے گیارہ مقالات کا یہ مجموعہ ہے جس کی انتہائی دیدہ زیب پیش کش نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ہر مقالے کے لیے کسی آیت کو عنوان بنایا گیا ہے۔ ہر ایک صفحے پر مرکزی خیال کو پیش کیا گیا ہے۔ ذیلی سرخیاں فہرست کی شکل میں دی گئی ہیں اور ہر مقالے کے آخر میں مراجع و مصادر دیے گئے ہیں۔ یوں اسے گیارہ کتابوں کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔

مختلف سیرت کانفرنسوں کے لیے تیار کیے گئے ان مقالات نے اللہ کے رسول کی شخصیت، زندگی اور تعلیمات کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ حسن معاشرت، نظم معیشت، نظام عدل، اقدار انسانی اور خلق عظیم ان میں سے چند ہیں۔ یہ سیرت کی روایتی کتاب نہیں جس میں محض واقعات کا بیان ہو بلکہ آپ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کو آج کے دور کے تقاضوں کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً نظام معیشت کے باب میں سود پر احکامات نہیں سنائے ہیں بلکہ مفید عملی بحث کی گئی ہے۔ اسی طرح مسلم ممالک کے لیے یکساں کرنسی کی تجویز اس سیرت کی کتاب کا حصہ ہے۔ "موجودہ دور میں مالیات کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر عالم اسلام میں ایک مشترک سکہ رائج کرنے کی تجویز یقیناً امت مسلمہ کے بے شمار مالی مسائل کا خاطر خواہ حل ہے۔ اسوہ حسنہ کے مطابق نظام معیشت کا قیام عمل میں آ سکے گا" (ص ۳۵۲) اس سے کتاب کے عملی و عصری انداز کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، لیکن دوسری طرف اسی طرح کا بیان نظروں میں کھٹکتا ہے.... "حرا کی وادی میں اتر کر اپنے پیروکاروں کو جو تعلیم دی اس

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ادھوری باتوں کو تکمیل کر دیا گیا اور دونوں کی افراط و تفریط سے ہٹ کر میانہ روی اور اعتدال پر قائم اخلاق کا ایک جامع اور مبسوط نظام پیش کیا گیا۔ (ص ۱۲۲) کسی کے کمال میں فرق ڈالے بغیر بھی رسول اللہ ؐ کا کمال کمال ہے۔

خوب صورت جلد اور دیدہ زیب پیش کش کی وجہ سے کالجوں اور عربی مدارس میں ، مقابلوں میں انعامات کے طور پر ، اور امتحانات میں کامیابیوں پر بزرگوں کی طرف سے نوجوانوں کو ہدیہ دینے کے لیے نہایت مناسب ہے۔ (مسلم سجاد)

سرزمین آرزو ، ناصر قریشی - ناشر: تنظیم پبلی کیشنز ، منصورہ ، لاہور - صفحات: ۱۲۸ - قیمت: ۵۱ روپے۔

مصنف نے ۱۹۹۳ میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی - زیر نظر کتاب محض روداد سفر نہیں بلکہ مشاہدات و تاثرات اور بصائر و عبر کا خزانہ بھی ہے - ناصر قریشی ایک براڈ کاسٹر ، افسانہ نگار اور ایک مضمون نگار کی حیثیت سے معروف ہیں - اس سفرنامے میں وہ ایک اچھے رپورتاژ نویس کے طور پر سامنے آتے ہیں - جناب ناصر قریشی کو اللہ تعالیٰ نے بات کہنے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے - انھوں نے محض تاریخی و جغرافیائی احوال پر انحصار نہیں کیا بلکہ واقعات کے موثر بیان کو ترجیح دی ہے - ان کا سفرنامہ سادہ و بے رنگ تفاصیل کی کھتونی نہیں بلکہ سفر حج کے مراحل و منازل کا جذبہ انگیز اور فکر افروز بیان کا مرقع جمیل ہے - قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ خود مصنف کے ہمراہ ، محو سفر ہے - حرمین شریفین کی زیارت کا روح پرور اور ایمان افروز بیان قاری کے دل و دماغ پر خاص اثر کرتا ہے - مصنف نے حج کے انتظامات کے سلسلے میں سرکاری و اجتماعی سطح پر ہونے والی بعض کوتاہیوں پر بھی بلیغ تبصرہ کیا ہے - اس سلسلے میں سفرنامہ کا وہ حصہ خاص طور پر قابل توجہ ہے جس میں ۱۲ ذی الحجہ کو رمی جمار کے موقع پر کئی آدمیوں کی ہلاکت کا حال بیان کیا گیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سعودی حکومت کی تمام تر قابل قدر مساعی کے باوجود ، حج کے بعض انتظامات کو مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے -

حجاج کرام میں نظم و ضبط کا فقدان ان کی موزوں تربیت کا اہتمام نہ ہونے کی غمازی کرتا ہے - نتیجہ یہ ہے کہ ایسے حادثات وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں اور عالم اسلام میں ان کی روک تھام کے لیے کوئی احساس جنم نہیں لیتا اور نہ کوئی مناسب قدم اٹھایا جاتا ہے - بہرحال "سرزمین آرزو" ایک ایسے شخص کا سفرنامہ حج ہے جو دیکھتا ہے ، محسوس کرتا ہے ، سوچتا ہے اور ملت اسلامیہ کے حال اور مستقبل کو بہتر دیکھنے کا آرزومند ہے - (ڈاکٹر رحیم بخش شاہین)

Pakistan : State of the Economy : ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، ایف سیون، اسلام آباد۔ صفحات: ۷۱۔ قیمت: ۴۰ روپے۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کے زیر اہتمام یہ گذشتہ کئی سالوں سے ملکی معیشت، سیاست، تعلیم اور خارجہ امور سے متعلق مسائل پر منفرد انداز میں تحقیق کام ہو رہا ہے۔ متذکرہ موضوعات پر ادارے کی مطبوعات کو علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ بالخصوص معاشی موضوعات پر بھی ادارے نے وسیع لٹریچر تیار کیا ہے۔ اس میں پاکستانی معیشت کے ماہرانہ جائزوں کا سلسلہ بھی شامل ہے۔ ۱۹۸۶ سے اب تک ایسے پانچ جائزے شائع کیے جا چکے ہیں۔ زیر نظر کتابچہ اسی سلسلے کی کڑی ہے اور موجودہ حکومت کے ابتدائی چودہ مہینوں کی معاشی کارکردگی کے جائزے پر مشتمل ہے۔ اس میں ملکی معیشت کی شرح افزائش، قومی بچت اور سرمایہ کاری کی سطح، افراط زر، مالیاتی معیشت اور قرضوں کی صورت حال کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ معیشت کے کلیدی شعبوں مثلاً زراعت، توانائی، بازار حصص، غیر ملکی سرمایہ کاری اور نج کاری کے بارے میں حکومت کی پالیسی اور اس پر عمل درآمد کے طریق کار پر بحث کی گئی ہے۔ اور ان عوامل کی بطور خاص نشان دہی کی گئی ہے، جو ملکی معیشت کے استحصال کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں نئی عالمی تجارتی تنظیم (World Trade Organisation) کے طے کردہ اصولوں پر عمل درآمد سے پاکستان کی معیشت پر مرتب ہونے والے متوقع اثرات کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔

جائزے کے آخر میں ملکی معیشت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کی تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔ تاہم اس بات پر دکھ کا اظہار کیا گیا ہے کہ معیشت کو اسلامی اصولوں پر تعمیر کرنے کے ضمن میں ماضی قریب میں جن کوششوں کا آغاز کیا گیا تھا ان سے مکمل طور پر بے اعتنائی برتی جا رہی ہے اور ملکی مفادات کو محفوظ کرنے کی خود کفالتی پالیسی کو بھی نظرانداز کر دیا گیا ہے۔

اقتصادی ترقی کے عمل میں نقل و حمل کے شعبے کو جو اہمیت حاصل ہے اس کے پیش نظر بہتر ہوتا کہ اسے بھی جائزے کا حصہ بنا لیا جاتا۔ مزید برآں مخصوص شعبوں پر مختصر انداز میں توجہ مرکوز کرنے کے بجائے اگر ملکی معیشت کے بنیادی شعبوں کے الگ الگ مفصل جائزے تیار کر کے اصلاح احوال کے لیے ماہرانہ تجاویز پیش کی جائیں تو یقیناً اس کاوش کی افادیت کا دائرہ وسیع ہو گا اور پالیسی ساز اداروں کے لیے انھیں نظرانداز کرنا ممکن نہ ہو گا۔ (پروفیسر عبدالحمید ڈار)

طوبیٰ: پروفیسر ہارون الرشید۔ ناشر: ہارون اکیڈمی، کراچی۔ صفحات: ۱۱۲۔ قیمت: ۲۵ روپے۔

پروفیسر ہارون الرشید معروف نقاد، ناول نگار اور شاعر ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں ''اردو ادب اور اسلام'' (دو حصے) خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ علاوہ ازیں ان کی تنقیدی نگارشات اور شعری کاوشوں کے متعدد مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ زیر نظر مجموعہ حمد و نعت اور ایک منقبت پر مشتمل ہے اور پروفیسر موصوف کے ذوقِ شاعری کا عمدہ ترجمان ہے۔ ان کی شاعری پر اصلاحی اور اخلاقی رنگ غالب ہے۔ ''طوبیٰ'' میں شامل منظومات شاعر کے جذبۂ خلوص اور راست فکری کی آئینہ دار ہیں۔ اس امر کا اہتمام کیا گیا ہے کہ نعت و منقبت غلو سے پاک ہو۔ علاوہ ازیں ہر نظم کے ساتھ تاریخ بھی درج کر دی گئی ہے۔ مجموعہ مختصر ہے لیکن مطالب و مضامین کے لحاظ سے عمدہ ہے۔ (ع - د - ب - ش)

مقدمہ بوسنیا، محمد الیاس انصاری۔ ناشر: فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور۔ صفحات: ۲۲۸۔ قیمت: ۱۸۰ روپے۔

بوسنیا کے مسئلے پر اردو میں متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں مثلاً: ''مسئلہ بوسنیا، منظر و پیش منظر''، عمر حیات عاصم سیال (کراچی، ۱۹۹۲)۔ ''سانحہ بوسنیا''، محمد الیاس انصاری (لاہور، ۱۹۹۳)۔ ''بوسنیا، جغرافیہ، تاریخ، داستان جہاد''، خلیل احمد حامدی (لاہور، ۱۹۹۳)۔ ''بوسنیا، صلیبی جنگیں اور نیا عالمی نظام''، پروفیسر محمود علی ملک (لاہور، ۱۹۹۳)۔ ''یوگوسلاویہ کا خاتمہ اور بوسنیا کے مسلمان''، عبداللہ اسماعیل (اسلام آباد، ۱۹۹۳)۔ زیر نظر کتاب اس سلسلے کی تازہ کڑی ہے اور بوسنیا پر تازہ معلومات اور مزید تفصیل فراہم کرتی ہے۔

محمد الیاس انصاری کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بوسنیا کے باب میں مغربی طاقتوں کے رویے کو اس نئی صلیبی جنگ کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ جو مغربی عیسائیت نے اسلام اور امت مسلمہ سے دشمنی، خوف اور تعصب کے سبب ان پر مسلط کر دی ہے۔ یہ ''چوتھی عالمی جنگ'' کشمیر، فلسطین، شیشان اور بوسنیا میں دست بدست لڑائی کی شکل میں اور پورے عالم اسلام سے تہذیبی اور ثقافتی سطح پر جگہ جگہ اور مختلف سطحوں پر لڑی جا رہی ہے۔ مصنف نے بوسنیا کا مقدمہ پیش کرنے سے پہلے ماضی میں صلیبی جنگوں اور مغرب کی صلیب پرستی کا ذکر کیا ہے جس نے امریکہ ہی نہیں تمام نصرانی ملکوں اور اقوام متحدہ کے کردار کو مشکوک بنا دیا ہے۔ اس حصے میں انھوں نے انسانی حقوق کے ''علمبرداروں'' کی منافقانہ روش اور دہرے معیار سے متعلق بہت سی مثالیں دی ہیں۔ ان کی بدنیتی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ''نیوزویک'' نے ۲۶ نومبر ۱۹۹۰ کے شمارے میں سنہ دو ہزار میں یورپ کا ایک ممکنہ نقشہ شائع کیا تھا جس میں بوسنیا کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ مقدمہ بوسنیا کا انجام کیا ہو گا؟ اس کا حتمی جواب آسان نہیں مگر ہمیں الیاس انصاری کی اس بات سے اتفاق ہے کہ مسلم دنیا

کے نتیجے میں یورپ اور امریکہ کا متعصبانہ صلیبی رویہ جدید بدیر انھیں لے ڈوبے گا۔

محنت و کاوش سے تیار کردہ یہ کتاب اردو قارئین کے لیے موضوع زیر بحث کا اچھا منظر و پس منظر فراہم کرتی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

سچیاں سرکاراں، احمد علی صوفی۔ ناشر: شوکت دواخانہ، محمد آباد، ستیانہ روڈ، فیصل آباد۔ صفحات ۳۰۸۔ قیمت ۱۵۰ روپے۔

سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھنا ایک سعادت ہے، اور ایک امتحان بھی۔ سعادت ان معنوں میں کہ تحریر کی نعمت پانے والے فرد کے قلم سے ذکر حبیب ہو، اور اس طرح بارگاہ ایزدی تک رسائی کا وسیلہ نصیب ہو۔ اور امتحان ان معنوں میں کہ والہانہ جذبوں کا اظہار کرتے کرتے اگر شدت جذبات میں قلم اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو خرمن پارسائی کو جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔

"سچیاں سرکاراں" سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا منظوم پنجابی مرقع ہے۔ فاضل مصنف نے عشق رسالت میں ڈوب کر رہوار قلم کو تھاما اور آدم علیہ السلام سے آغاز کر کے وصال نبوی تک کے مرحلوں کو خوب صورت، رواں اور شستہ پنجابی میں قلم بند کیا ہے۔ ہر واقعے کی چھان پھٹک کے لیے مستند مجموعہ ہائے سیرت سے استفادہ کیا اور مضمون کی نزاکت کا پورا پورا لحاظ رکھا۔ مثال کے طور پر ص ۱۰۳ پر ان کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے:

پاک نبی دی راہ تے چلدے مرشد منو ہادی
جانل جیہڑے چوراں کولوں منگ پناہ خدا دی

گویا وہ سیرت کے مضامین کو بیان کرتے کرتے آشوب عصر کے رستے ہوئے ناسوروں پر بھی نشتر چلاتے جاتے ہیں، یوں سیرت کا یہ تذکرہ ہمارے حال کے شب و روز سے مربوط ہو جاتا ہے۔ (سلیم منصور خالد)

سارا جہاں ہمارا، فرید احمد پراچہ۔ ناشر: جنگ پبلشرز، لاہور۔ صفحات ۱۸۹۔ قیمت ۱۰۰ روپے۔

زیر نظر روداد سفر کو ہم ایک شگفتہ مزاج، سنجیدہ اور صاحب احساس قلم کار کے ذہنی تاثرات اور دردِ دل کا آئینہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ جرمنی، ناروے، ڈنمارک، برطانیہ اور امریکہ کا سیاحت نامہ ہے۔ "میرا یہ سفرنامہ یورپ اور امریکہ کے ان سفروں کے متعلق ہے جو بعض کانفرنسوں میں شمولیت کی غرض سے کیے گئے۔ ان کا عرصہ ۱۹۸۲ اور ۱۹۹۲ کے درمیان ہے"۔ شہروں، قصبوں، قابل دید تاریخی مقامات، طرز ثقافت و سیاست اور عجائبات کو "جیسا دیکھا ویسا بیان کر دیا۔ جیسا محسوس کیا ویسا قلم بند کر دیا اور جیسا پایا ویسا سنایا"۔

مصنف نے اپنے مشاہدات و تاثرات کو ایک رواں دواں، چلتے ہوئے، بے تکلفانہ اور شگفتہ اسلوب

میں بیان کیا ہے جس میں صورت احوال پر سنجیدہ تبصرے بھی ہیں اور مغربی معاشروں کے سمندر میں ڈوبے والے مشرقی مسلمانوں کی دردناک کہانیاں بھی۔ دین دار والدین اپنے لڑکوں لڑکیوں کے طرز عمل پر "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" کے کرب میں مبتلا ہیں۔ ضلع اٹک کے مڈل پاس سادہ دل دہقان کے دکھ کا کون اندازہ لگا سکتا ہے: "کاش میں نے پاکستان نہ چھوڑا ہوتا' کاش میں آج بھی اپنی بارانی زمینوں پر ہل چلا کر آسمان کی طرف نگاہیں کر کے دعا کر رہا ہوتا اور میری بیٹی بے شک ان پڑھ رہ جاتی" (ص ۱۱۳)۔ ندیم کا کردار بھی کم الم انگیز نہیں۔ زکوۃ فنڈ' دوستوں کے جمع کردہ چندے اور بہنوں کے جہیز کی فروخت کی رقم پر' امریکہ میں اس کے گردوں کی پیوند کاری ہوئی اور اسے نئی زندگی ملی مگر امریکی تہذیب اور اپنی ماڈرن بیوی کے زیر اثر وہ خدا کی نعمتوں اور والدین کو بھلا بیٹھا (ص ۱۷۳)۔ دولت اور خوش حالی' بسا اوقات فتنہ انگیزی کا باعث ہوتی ہے۔

نیاگرا کی زیارت اور اس کا بیان خوش فکر ناظر کی رومانوی انشا پردازی کا عمدہ نمونہ ہے۔ فرید احمد پراچہ کو نیاگرا کے "مبہوت کر دینے والے منظر" میں قدرت کے جلال و جمال کی جھلک نظر آئی تو چپ سے جانے تھا۔ اس باب کو پڑھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ خوش فکر ناظر' ایک شگفتہ نگار ادیب بھی ہے۔

زیر نظر سفرنامے میں فرید پراچہ کے مطالعے کی وسعت' زندگی اور انسان کے باب میں ایک مثبت اور ہمدردانہ رویہ' تدین و تفکر' ملی و قومی حمیت اور ایک آفاقی نظر نمایاں ہے۔ آخری حصے پر سفرنامے سے زیادہ' امریکہ کی سیاسی' تہذیبی اور معاشرتی خرابیوں کے جائزے کا گمان گزرتا ہے۔

اردو میں یورپ کے سفرنامے تو بہت لکھے گئے ہیں مگر فرید پراچہ کے مشاہدے کا زاویہ ان سب سے مختلف ہے۔ بقول پروفیسر غلام جیلانی اصغر: اس نے "داخلی اور خارجی مظاہر کی عکس بندی ہی نہیں کی بلکہ اس نئی سوچ کا بھی نہایت عمدہ انداز میں تذکرہ کیا' جو اس وقت یورپ اور امریکہ میں کار فرما ہے۔ یہ اسلامی فکر کی تازگی ہے' جو ان ممالک کے تھکتے ہوئے معاشرے کے لیے حیات نو کی نوید ہے"۔ اس انداز کے باوجود' یہ ایک دلچسپ اور پرلطف سفرنامہ ہے' اور اس سے اردو سفرنامہ نگاروں میں فرید پراچہ کی ایک منفرد حیثیت متعین ہوتی ہے۔ ر - ہ

لمحوں کی زنجیر اعجاز رحمانی۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی' منصورہ' لاہور۔ صفحات ۲۰۰۔ قیمت ۷۵ روپے۔

اعجاز رحمانی کی زیر نظر نظموں کا بڑا موضوع حق و باطل کا وہ معرکہ ہے جو مختلف معاشروں اور ملکوں میں صدیوں سے جاری ہے۔ چھوٹی بحری نظموں میں معرکہ حق و باطل کے نشیب و فراز' بعض تلخ

حقائق' ماضی قریب' خصوصاً اسلامی تاریخ کے پس منظر سے ابھرنے والی صورت حال پر تبصرہ و تجزیہ اور حق و راستی کے لیے ایک والہانہ جذبہ بہت نمایاں ہے۔ موضوع کی مناسبت سے شاعر کا رجزیہ انداز قاری کو جہاد پر اکساتا ہے۔ شہادت اعجاز رحمانی کے ہاں ایک اہم حوالہ ہے:

مقتل میں اور کس کی گواہی ہے معتبر　　جو سب سے معتبر ہے' شہادت لہو کی ہے
پھر یاد آ رہے ہیں شہیدان محترم　　اسلام کو پھر آج' ضرورت لہو کی ہے

وطن سے محبت کے ساتھ ساتھ وہ امت مسلمہ کی زبوں حالی پر فکر مند ہیں۔ دردمندی نے شاعر کے اندر ایک سوز و گداز کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ وہ محمد بن قاسم سے سید مودودی تک امت کی اصلاح اور سربلندی کے لیے کوشاں رہنے والوں کو یاد کرتے ہیں۔ اردو' مشرقی پاکستان' بنگلہ دیش کے محصورین اور کراچی کے حوالے سے گلی گلی بہنے والے لہو کے دلخراش مناظر پر شدید کرب و اضطراب میں مبتلا ہیں:

اس دور ارتقا میں ہر اک چیز ہے گراں　　انسان کا لہو مگر ارزاں ہے آج کل

انھیں' دلوں کے ناسوروں کا بھی اندازہ ہے اور رہبروں کے بھیس میں رہزنوں پر بھی ان کی نظر ہے لیکن تمام تر رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود وہ پر امید ہیں:

اسلام ہی دنیا میں سرافراز رہے گا　　اسلام ہی انسان کا دم ساز رہے گا

اعجاز رحمانی حب وطن' دینی حمیت اور ملی جذبے سے سرشار ہیں۔ زندگی کے بارے میں ان کے مخصوص نقطہ نظر (" زندگی' عرصہ شہادت ہے") کی بنا پر ہم انھیں اپنے عہد کا ایک منفرد شاعر کہہ سکتے ہیں۔ (د-ہ)

کتاب الابدان - حکیم محمد سعید' حکیم قسیم الدین' حکیم نعیم الدین زبیری۔ ناشر: بیت الحکمت' مدینۃ الحکمت۔ محمد بن قاسم ایوے نیو کراچی ۷۲۰۰۔ صفحات' حصہ اول: ۳۲۵۔ حصہ دوم: ۲۱۴۔ قیمت' حصہ اول: ۱۶۰ روپے' دوم: ۱۶۰ روپے۔

عربی کے ایک معروف قول کا ترجمہ ہے: "اہم ترین حقیقی علم تو بس دو ہی ہیں: علم ادیان اور علم ابدان"۔ زیر نظر کتاب موخر الذکر علم سے متعلق ہے۔ انسانی بدن کی تشریح (Anatomy) اور اس کے فعلیات (Physiology) پر انگریزی میں تو بہت سی کتابیں ملتی ہیں مگر اردو میں اس موضوع پر معیاری کتب شاذ ہی نظر آتی ہیں۔ اس اعتبار سے زیر نظر کتاب اردو کے طبی ذخیرۂ کتب میں نہایت خوش گوار اور عمدہ اضافہ ہے۔

اس کے عنوانات ابواب (علم تشریح و فعلیات' حیوانی خلیہ' جسمانی بافتیں' محوری ڈھانچا' الحاقی

ہضم) چنانچہ عضلات، نظام ہضم، نظام قلب و عروق، نظام لمفاوی، نظام تنفس، نظام بول، نظام اعصاب، نظام درون افرازی، نظام تولید، جلد) تک سے کتاب کے وسیع دائرہ توضیح و تشریح کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جملہ لوازمے کو رنگین اور سادہ تصاویر، نقوش اور خاکوں کی مدد سے واضح کیا گیا ہے۔ طبی اصطلاحات اور اعضائے بدن کے انگریزی اور عربی مترادفات بھی بالالتزام دیے گئے ہیں۔ کتاب کی ایک قابل ذکر اور لائق تحسین خوبی یہ ہے کہ اس کی زبان آسان اور عام قاری کے لیے بھی قابل فہم ہے۔ کتاب نہایت اچھے معیار پر شائع کی گئی ہے۔ جلد مضبوط اور کاغذ نہایت عمدہ ہے نہ صرف طب کے اساتذہ اور طلبہ و طالبات بلکہ علم الابدان سے دلچسپی رکھنے والے عام قارئین بھی محسوس کریں گے کہ انسانی جسم کی ساخت اور مختلف جسمانی اعضا کے افعال کو سمجھنے کے لیے یہ ایک مفید و معاون اور راہ نما کتاب ہے۔ ادارہ ہمدرد، بیت الحکمت اور مصنفین اس کتاب کی تحریر و تیاری اور اشاعت پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ (ر-ہ)

اسلام اور پیغمبرؐ اسلام اہل انصاف کی نظر میں، شیخ احمد بن حجر آل بوطامی، ترجمہ: اقبال احمد سلفی۔ ناشر: ادارۃ البحوث الاسلامی، جامعہ سلفیہ، بنارس۔ صفحات: ۲۲۶۔ قیمت: درج نہیں۔

مصنف، قطر کے محکمہ شرعیہ میں قاضی کے منصب پر فائز رہے۔ اس کتاب میں انھوں نے "دنیا کے منصف علما و مصلحین (کچھ نصرانی، کچھ غیر نصرانی) کے وہ اقوال و بیانات جمع کیے ہیں جن میں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن کا اعتراف کیا گیا ہے"۔ فاضل مصنف کے خیال میں اگرچہ اسلام ان شہادتوں کا محتاج نہیں، مگر ان سے بہت سے لوگ حق کی معرفت کے سلسلے میں مطمئن ہو جائیں گے۔ کتاب دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔ (ر-ہ)

ضروری تصحیح: "کتاب نما" (ستمبر ۹۵) میں فی ظلال القرآن (ترجمہ از سید حامد علی) پر تبصرے کے ضمن میں صرف تین جلدوں کا ذکر ہو سکا تھا۔ باقی دو جلدوں کی تفصیل یہ ہے:

جلد چہارم (المائدہ) صفحات: ۴۸۰۔ قیمت: ۱۲۰۔ صفحات جلد پنجم (پارہ ۷، ۸) صفحات: ۵۰۲۔ قیمت: ۱۵۰ روپے

اشاریہ: ترجمان القرآن ۱۹۹۵

رفیع الدین ہاشمی - شائستہ ہاشمی

مصنف / مرتب / مبصر	مضمون / تبصرہ / تحریر	شمارہ	صفحات
اشارات			
خرم مراد	بوسنیا کا سبق	اکتوبر	۳-۱۳
"	پاکستان کا معاشی بحران	جنوری	۳-۱۱
"	راہ و منزل	دسمبر	۳-۱۲
"	پاکستان کدھر جا رہا ہے؟	اگست	۳-۱۳
"	[جاپان میں زلزلہ]	مارچ	۳-۱۰
"	دہشت گرد کون؟	جون	۳-۱۲
"	""فکر مودودی"" کیا ہے؟	ستمبر	۳-۱۹
"	[قوم کی اصلاح سے مایوس کیوں؟/ رمضان المبارک کی آمد]	فروری	۳-۱۱
"	[کراچی کا مسئلہ - صوبہ جاتی تشکیل - تازہ بجٹ]	جولائی	۳-۱۲
"	[مقدمہ توہین رسالت]	اپریل	۳-۱۳
"	مسائل کی تفہیم، ترجیحات کس طرح؟	نومبر	۳-۱۱
"	نئی صلیبی جنگ: دینی مدارس کے دروازوں پر	مئی	۳-۱۴
۶۰ سال پہلے			
توفیق شاہ، سید	[اہل مغرب کی تاریخ نویسی]	جون	۲
مناظر احسن گیلانی	[انگریزی کی مساوات کرنے کی کوشش]	اکتوبر	۳
مودودی، سید ابوالاعلیٰ	[اسلام میں تفرقہ: آج اور کل]	مئی	۳
" "	[پنج وقتہ نماز کی فرضیت]	جولائی	۳
" "	[جنت کی حقیقت]	فروری	۱۳
" "	[""چینی مسلمان"" (بدر الدین چینی) پر تبصرہ]	ستمبر	۳
" "	[خواتین کا حق خلع]	نومبر	۳
" "	[""شاہکار"" لاہور، ""شریعت"" عبداللہ پور اور ""اخبار مسلمات"" سود پر تبصرہ]	اگست	۳
" "	[علما کا فریضہ: امر بالمعروف]	اپریل	۳
" "	[مسلم خواتین کی پردے سے روگردانی]	مارچ	۱۱

" "	مسلکی قانون ازدواج	دسمبر	۳
" "	[محافظت کا دہائی]	جنوری	۱۳

حکمت مودودی

مودودی، سید ابوالاعلیٰ	آزادی کا صحیح مفہوم	اگست	۱۵–۱۸
" "	اصلاح کرنے والے عناصر	اکتوبر	۱۵–۱۹
" "	اقامت دین اور اجتماعی تمدن	مئی	۱۵–۱۸
" "	پاکستان اور اسلام	مارچ	۱۳–۱۷
" "	حکمت عملی کے اصول	جنوری	۱۵–۱۹
" "	دوستی کی حکمت	فروری	۱۵–۱۸
" "	شہادت حق اور اجتماعی زندگی	جون	۱۳–۱۸
" "	قادیانی کون لوگ ہیں؟	جولائی	۱۳–۱۵
" "	نفاذ شریعت کی حکمت عملی	اپریل	۱۵–۱۹

فہم قرآن

احسان الحق، ڈاکٹر حافظ	امت مسلمہ کی وحدت، اساس	جنوری	۱۷–۲۳
خرم مراد (مرتب)	داعی کا زاد راہ	مارچ	۱۹–۲۵
سید قطب (ترجمہ: سید حامد علی سہروردی؛ خرم مراد) معاملات میں تقویٰ		جولائی	۱۷–۳۰
سید قطب (ترجمہ: سید حامد علی سہروردی، خرم مراد) نفس مطمئنہ		مئی	۱۹–۲۵
مودودی، سید ابوالاعلیٰ	اجتماعی زندگی کے آداب (سورۃ الحجرات، آیات ۸:۱۳)	دسمبر	۱۳–۱۸
" "	داعی کی صفات	ستمبر	۲۱–۳۳

فہم حدیث

حسن علی، شیخ	اختلاف رائے	اگست	۱۹–۲۳
خرم مراد	کلام نبوی کی صحبت میں	فروری	۱۹–۲۳
"	کلام نبوی کی صحبت میں	اپریل	۱۷–۲۰
"	کلام نبوی کی صحبت میں	جون	۱۹–۲۳
"	کلام نبوی کی صحبت میں	ستمبر	۱۳–۱۹
محمد قطب (ترجمہ: عارف اقبال) کوشش آخری سانس تک		اکتوبر	۱۷–۲۳

فقہ و اجتہاد

ثاقب، محمد حافظ	تعمیر احکام، عقیقہ: مسائل و احوال	اکتوبر	۲۳–۳۳

تزکیہ و تربیت

دعوت و تحریک

تاریخ و سیر

عبدالحمید صدیقی	سیرت طیبہ سے چند جذباتی نکات	اگست	۲۹-۳۶

نظام حیات

جلال الدین عمری، سید	غیر مسلموں سے تعلقات اور اسلامی تعلیمات۔ غیر مسلم رشتہ دار اور پڑوسی	جنوری	۲۹-۳۶
" "	غیر مسلموں سے تعلقات اور اسلامی تعلیمات: عام غیر مسلموں سے تعلقات	فروری	۲۹-۳۶
محمد رفیع عثمانی، مفتی	صنعتی تعلقات کا اسلامی نظام	مئی	۵۱-۵۸

تحریکات اسلامی

حکیم محمد سعید و دیگر	سید مودودی اور جماعت اسلامی کا کردار (مذاکرہ)	نومبر	۳۷-۶۰
خورشید احمد، پروفیسر (ترجمہ: مسلم سجاد)	احیاے اسلام: تاریخ اور امکانات	ستمبر	۳۵-۳۹

اسلام اور مغرب

محمد غزالی (ترجمہ و تلخیص: مسلم سجاد)	تہذیبوں کا تصادم - ایک جائزہ	ستمبر	۶۳-۶۵
محمد ایوب منیر	بیجنگ کانفرنس: خواتین کے لیے دعوت عمل	اکتوبر	۵۵-۵۹
مسلم سجاد	فن کا تصور اور اسلام	مارچ	۵۱-۵۸
"	یورپ کے قلب میں ابھرتا ہوا خطرہ	جون	۳۷-۵۱
مسلم سجاد (اخذ و تلخیص)	اسلام اور جمہوریت۔ ایک تصادم (پروفیسر ولیم زارٹ مین کے ساتھ ایک مکالمہ)	جولائی	۶۳-۷۱

حالات حاضرہ

مسلم سجاد	چین کا بدلتا معاشرہ: دولت کے سیلاب اور اخلاقی بحران کی زد میں	اپریل	۳۵-۵۰
عبدالغفار عزیز	اسرائیل کا ایٹمی اسلحہ	اپریل	۵۱-۵۳
عبدالغفار عزیز (مرتب)	اسرائیل سے صلح کے جواز پر ایک مکالمہ	جون	۵۳-۶۱

اخبار امت

آغا شاہی	پاک امریکہ تعلقات: پاکستان کی نیوکلیئر صلاحیت	اگست	۳۳-۳۷
ابو محمد	انڈونیشیا: اسلامی لہر	مئی	۵۹-۶۰
حافظ محمد ادریس	کینیا: مسلمانوں کی جدوجہد	جون	۳۹-۴۳
"	کینیا: مستقبل کے امکانات	جولائی	۶۰-۶۲

خالد محمود، عارف، جنرل (ر)	مسئلہ کشمیر - پاک امریکہ تعلقات	اگست ۴۷-۵۱
خدیجہ ترابی	ایران: امریکہ کی زد میں	مئی ۶۰-۶۳
خرم مراد	چیچنیا: روس کا قبرستان	فروری ۶۷-۷۰
خورشید احمد، پروفیسر	ملت اسلامیہ: اکیسویں صدی کی دہلیز پر	نومبر ۳۷-۴۵
الیشہ لیب (ترجمہ محمد اقبال فاروقی)	جموں و کشمیر پر بھارتی دعویٰ: ایک تاریخی جائزہ	اکتوبر ۶۱-۶۵
	مصر: اخوان پھر ابتلا میں	دسمبر ۵۱-۵۳
محمد ایوب منیر	ضیا اند آمرات: اخبارات، مورو مسلمانوں کی جدوجہد آزادی	ستمبر ۶۰-۶۲
مسلم سجاد	بوسنیا کا بحران کدھر؟	جولائی ۵۷-۶۰
"	بھارت: یکساں سول کوڈ کا مسئلہ	اگست ۶۳-۶۵
"	پاکستان: براؤن: پریسلر کا دوسرا چہرہ	دسمبر ۴۹-۵۰
"	ترکی میں اسلامی تحریک فتح کے دروازے پر	جنوری ۵۵-۵۹
"	تیونس: رجعت قہقری	اگست ۶۲-۶۳
"	ماریطانیہ: عزت اور انصاف کا راستہ	جون ۴۳-۴۵
"	مصر: انتخابات کی تیاریاں	ستمبر ۵۷-۶۰
"	معاہدہ اوسلو ثانی: خود مختاری کا دھوکہ	نومبر ۶۵-۶۶
عبدالستار (اخذ و ترجمہ: مسلم سجاد)	[پاکستان کی خارجہ پالیسی - پاک امریکہ تعلقات نیوکلیائی صلاحیت وغیرہ]	اگست ۵۱-۵۴
	تحریکات اسلامی کے خلاف اسرائیلی حکمت عملی	دسمبر ۴۷-۵۱
عبدالغفار عزیز	سانحہ غزہ: منظر پس منظر	جنوری ۶۱-۶۳
	مصر اور سوڈان آمنے سامنے	اگست ۵۹-۶۲
فرحت اللہ بابر	[پاکستان کا نیوکلیئر پروگرام اور توانائی	اگست ۴۷-۵۱

فکر جدید

عبدالقدیر سلیم، پروفیسر	سائنسی فکر کا ارتقا [قسط: ۱]	جنوری ۴۷-۵۳
" "	سائنسی فکر کا ارتقا [قسط: ۲]	فروری ۶۱-۶۶
" "	یورپ میں فلسفہ سائنس کا ارتقا [قسط: ۱]	مارچ ۵۹-۶۷
" "	یورپ میں فلسفہ سائنس کا ارتقا [قسط: ۲]	اپریل ۳۵-۴۳

بحث و نظر

قاسم نانوتوی، مولانا اور دوسرے	دینی مدارس کا نظام تعلیم: خرم مراد (مرتب)	جولائی ۲۱-۲۷
مسلم سجاد	انگریزی زبان اور ہماری تعلیمی پالیسی	اپریل ۵۵-۱۲
"	مخلوط یا جداگانہ ادارے	دسمبر ۴۳-۰۶

کتاب نما

" "	ذوق شوق (فرید احمد پراچہ)	جولائی	۸۲–۸۳
" "	سیرت حافظ ابن حزم اندلسی (ڈاکٹر عبدالحلیم عویس)	مارچ	۸۱–۸۲
" "	عالم اسلام اور عیسائیت، مجلہ (مدیر: مشیر الحق)	ستمبر	۷۸–۷۹
" "	فی ظلال القرآن (سید قطب، ترجمہ: سید حامد علی)	ستمبر	۷۳–۷۵
" "	کتاب الابدال (حکیم محمد سعید - حکیم قسیم الدین - حکیم نعیم الدین زبیری)	دسمبر	۷۰
" "	مدنی زائچہ (اعجاز رحمانی)	دسمبر	۶۹
" "	مضامین غلام ربانی (غلام ربانی)	ستمبر	۷۷–۷۸
" "	معاشرہ، جدیدیت اور اسلام (محمد موسیٰ بھٹو)	فروری	۸۲–۸۳
" "	نقد و نظر، مجلہ (مدیر: اسلوب احمد انصاری)	فروری	۸۳
" "	نوشتہ دیوار (اعجاز احمد فاروقی)	جون	۷۸–۷۹
" "	ہمیں رہنا نہیں ہے تا (مقصود الزماں محمد رشید)	فروری	۸۱–۸۲
" "	The Emergence of Islam (محمد حمید اللہ، ترجمہ: افضل اقبال)	جولائی	۸۱–۸۲
" "	Letter to the Editor made easy (مظہر علی ادیب)	جولائی	۸۳
رؤف احمد شاد، پروفیسر	قومی تعلیمی پالیسی: ۱۹۹۲ تا ۲۰۰۲ ایک جائزہ (مرتب: سلیم منصور خالد)	ستمبر	۷۶–۷۷
" "	مسئلہ کشمیر پاک بھارت مذاکرات (ارشاد محمود)	جون	۷۵–۷۶
زاہد منیر عامر	پاکستان، بھارت اور عالم اسلام (پروفیسر خورشید احمد)	جنوری	۷۵–۸۵
" "	پاکستان میں نفاذ اسلام (پروفیسر خورشید احمد)	جنوری	۸۳–۸۵
" "	پاکستان سیاست اور آئین (پروفیسر خورشید احمد)	جنوری	۸۳–۸۵
" "	جمہوریت، پارلیمنٹ اور اسلام (پروفیسر خورشید احمد)	مارچ	۸۲–۸۵
سلیم منصور خالد	اسلامی تحریک: درپیش چیلنج (پروفیسر خورشید احمد)	مارچ	۸۲–۸۵
" "	پاکستان میں امریکی جاسوس ایجنسیوں کا سیاسی کردار (منیر احمد)	اگست	۷۷–۷۹
" "	تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء، جلد دوم (قومی اسمبلی میں قادیانی مقدمہ مرتب: مولانا اللہ وسایا)	اپریل	۷۷–۷۸
" "	حقیقت زر الدین (خواجہ غفور احمد)	مارچ	۸۳–۸۵
" "	سچیاں سرکاراں (احمد علی صوفی)	دسمبر	۶۹
" "	سقراط (ڈاکٹر منصور الحمید)	ستمبر	۷۹–۸۰
شاہین، ڈاکٹر رحیم بخش	پاکستان کے نعت گو شعرا، جلد اول (مرتب: سید محمد قاسم)	اگست	۸۳–۸۴
" "	سرزمین آرزو (ناصر قریشی)	دسمبر	۶۳
" "	شعور حیات (محمد یوسف اصلاحی)	مارچ	۸۳

" "	عورت: حیثیت، خاندانی کردار اور تعلیم (پروفیسر سید محمد سلیم)	جون	۷۷-۷۸
" "	مولانا ابوالکلام آزاد: ایک نادر روزگار شخصیت (غلام رسول مہر)	مئی	۷۷-۷۸
" "	تحفۃ المبین بلطائف القرآن (مولانا ابوالمعالی محمد علی فیضی)	ستمبر	۸۰
" "	نوائے حریت (سید علی گیلانی)	اگست	۸۲-۸۳
عامر رانا محمد	جنگل میں الہ اللہ (لیفٹیننٹ کرنل اشفاق حسین)	اگست	۸۴
عبدالمالک، مولانا	فی ظلال القرآن (سید قطب شہید)	اکتوبر	۸۱-۸۲
عبدالمالک مجاہد، انجینئر	ڈارون کا ارتقائی نظریہ اور اسلام (شمس حق) (مولانا محمد رمضان چنیوٹی)	اکتوبر	۸۱-۸۲
مسلم سجاد	امریکہ میں یہودی تنظیمیں (ق اوبرائن، ترجمہ: نذیر حق)	جون	۷۶-۷۷
"	[illegible] (مرتبہ: [illegible])	اپریل	۷۸-۷۹
"	سیرت پاک کی خوشبو (ڈاکٹر انعام الحق کوثر)	فروری	۸۰-۸۱
"	سیرت مجمع صفات (پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ)	دسمبر	۶۳
"	مولانا مودودی اور جماعت اسلامی (مخزن انگریزی تحقیقات)	نومبر	۷۴-۷۹
"	On the Renaissance of the Muslim World (ڈاکٹر حفیظ الرحمن، ترجمہ: پروفیسر محفوظ علی)	اگست	۸۱-۸۲
منصور علی، ڈاکٹر	سید مودودی کے چند تحقیقی ادب: مولانا حنیف محمد (پروفیسر کریم بخش نظامانی)	جنوری	۸۵-۸۷
ابو معصوم:	پیغمبر اعظم (مولانا عبدالحمید منظر)	جون	۸۵
" "	عدل کی تلاش (ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی)	مئی	۸۰
" "	عورت کو میراث سے محروم رکھنا ظلم ہے (مولانا محمد یوسف قریشی)	جون	۹۰
" "	مقتل بوسنیا و کشمیر (ظہورالدین بٹ)	جولائی	۸۳
" "	نیکی کی تحریک (ڈاکٹر انعام الحق کوثر)	مئی	۸۰

متفرق

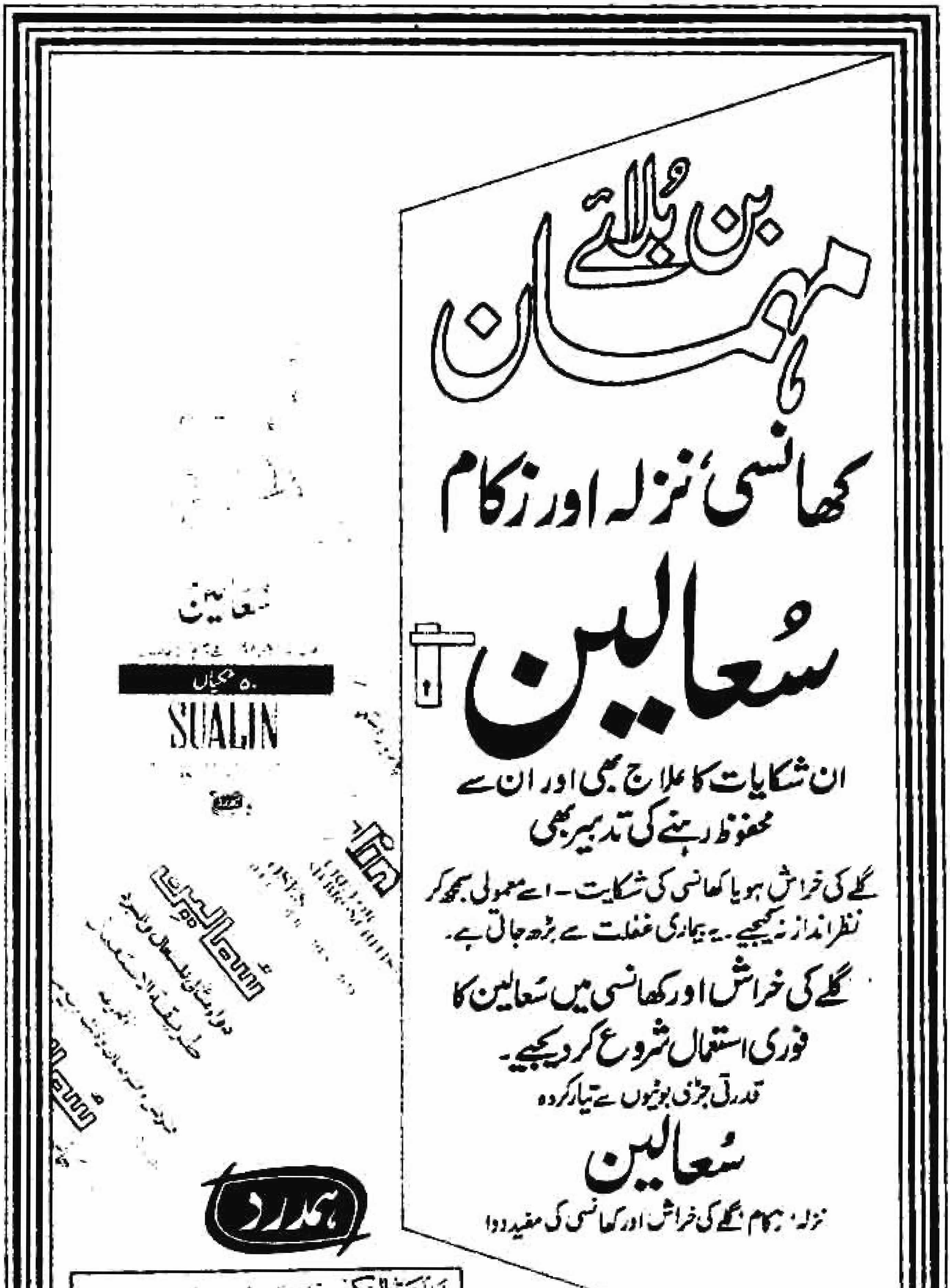
خرم مراد	میں ایک رخصت ہوں	نومبر	۶۱-۶۳
عارفہ اقبال (مترجم)	دنیا بھر کی خواتین کے نام	[illegible]	۳۵-۴۱
رفیع الدین ہاشمی	اشاریہ ترجمان القرآن ۱۹۹۵	دسمبر	۷۱-۸۰
عبدالغفار عزیز	مغرب کے معصوم بچے / مغربی معاشرہ	مارچ	۶۹-۷۴
مولانا ابوالحسن علی ندوی (اخذ و تلخیص: خرم مراد)	بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست	اگست	۲۳-۲۷

قارئین، سالانہ خریدار اور ایجنٹ حضرات توجہ فرمائیں

ڈاک شرح میں اضافہ اور کاغذ کی گرانی کے باعث ادارہ گذشتہ ۴ ماہ سے اضافی بوجھ برداشت کر رہا ہے تاکہ قارئین متاثر نہ ہوں لیکن اب پرچے کی قیمت میں مبلغ -/۳ روپے کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ جنوری ۹۶ سے قیمت فی شمارہ -/۱۵ روپے مقرر کی گئی ہے اور سالانہ زر تعاون -/۱۵۰ روپے ہے۔

۲۰ دسمبر ۹۵ تک -/۱۲۰ روپے ارسال کر کے -/۳۰ روپے کی بچت حاصل کی جا سکتی ہے۔ ۲۰ دسمبر کے بعد زر تعاون نئی شرح کے مطابق ہو گا۔ پرانے خریدار رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ آپ کا خریداری نمبر پتہ کی چٹ کے اوپر درج ہے۔ رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجنے والوں سے گزارش ہے کہ وہ ہمیں منی آرڈر کی رسید کی فوٹو کاپی بھیج دیں۔ کیونکہ منی آرڈر کی وصولی میں ایک ماہ لگ جاتا ہے۔ اگر آپ نے ہمیں اطلاع نہ دی تو منی آرڈر دیر سے ملنے کے باعث وی پی -/۱۵۰ روپے کی ارسال کر دی جائے گی جس سے آپ پر یا ہم پر اضافی بوجھ پڑے گا۔ یاد رکھیے منی آرڈر کی رسیدات ہمیں ہر صورت ۲۰ دسمبر ۹۵ تک وصول ہونا چاہییں۔ نئے خریدار بننے والے رسید کے ہمراہ یہ ضرور تحریر فرمائیں "نئے خریدار"۔

منیجر
ترجمان القرآن
۵۔ اے ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور



مہمان بن بلائے
کھانسی، نزلہ اور زکام
سُعالین
ان شکایات کا علاج بھی اور ان سے
محفوظ رہنے کی تدبیر بھی
گلے کی خراش ہو یا کھانسی کی شکایت - اسے معمولی سمجھ کر
نظر انداز نہ کیجیے - بیماری غفلت سے بڑھ جاتی ہے -
گلے کی خراش اور کھانسی میں سعالین کا
فوری استعمال شروع کر دیجیے -
قدرتی جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ
سُعالین
نزلہ، زکام، گلے کی خراش اور کھانسی کی مفید دوا
سعالین
۵۰ ٹکیاں
SUALIN
ہمدرد
مدینۃ الحکمۃ

آیئے کارِ مسیحائی کریں



الخدمت ویلفیئر سوسائٹی (رجسٹرڈ) نے پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے تعاون سے کراچی کے پسماندہ علاقے ضلع غربی میں اورنگی ٹاؤن، قصبہ، علیگڑھ کالونی، بنارس اور قرب وجوار میں رہائش پذیر دکھی لوگوں کے لئے جدید سہولیات سے آراستہ ۱۰۰ بستروں کے ہسپتال کا منصوبہ تشکیل دیا ہے، اس منصوبے کے تعمیراتی اخراجات کا تخمینہ دو کروڑ روپے ہے۔

الخدمت ہسپتال

بالمقابل اورنگی ٹاؤن تھانہ، اورنگی ٹاؤن کراچی

فون: 6668893 - 6668894 فیکس: 6652883

اپنے عطیات بنام الخدمت ویلفیئر سوسائٹی کراچی (رجسٹرڈ) اکاؤنٹ نمبر 6/6 مسلم کمرشل بینک خداداد کالونی برانچ میں جمع کروائیں

الخدمت ویلفیئر سوسائٹی کراچی (رجسٹرڈ)

عطیہ اشتہار۔ پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کراچی۔

دہشت گردی پھیلتی ہو اور فساد فی الارض رونما ہوتا ہو یا اس کے ذریعے ایسے مطالبات دباؤ کے ذریعے منوانا مقصود ہوں جو قومی آمدن کے اعتبار سے منصفانہ نہ ہوں اور ایسے مطالبات کرنا اور ان کے لیے احتجاج اور ہڑتال کرنا معاہدے کی شرائط میں شامل بھی نہ ہو تو اس کی اجازت شریعت نہیں دیتی اور یہ اخلاقاً بھی جائز نہیں ہے۔ یہ تو ہوئی سرکاری یا نجی اداروں کے ملازمین کی ہڑتال کی بات۔ باقی رہی ملک کے عام تاجروں، ٹرانسپورٹروں اور زندگی کی دوسری سرگرمیوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ہڑتال، احتجاج اور مظاہرے تو اخلاق و قانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے پرامن طور پر ان چیزوں کے ذریعے جائز مطالبات منوانے اور عوام کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کی کوشش کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ دور حاضر کے معروف طریقے ہیں اور اسلام میں ان کی ممانعت کی دلیل موجود نہیں ہے۔ اسی طرح حکومت کا احتساب کرنا، اس کو عدل و انصاف پر قائم رکھنے یا اگر اصلاح پذیر نہ ہو تو اس کو ہٹانے اور بدلنے کے لیے پرامن مظاہروں، ہڑتالوں اور رائے عامہ کا دباؤ ڈالنا عہد حاضر کے معروف طریقے ہیں اور اگر مسلح بغاوت نہ ہو، تشدد و دہشت سے کام نہ لیا جائے، مطالبات و مقاصد جائز ہوں اور حکومت فاسق و ظالم ہو تو شریعت میں بھی اس کی ممانعت نہیں ہے بلکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک جدید انداز ہے جسے اختیار کرنا چاہیے۔ (گوہر رحمان)

وراثت کا ایک مسئلہ

ہم چار بھائیوں کی ایک بہن تھی جن کا کچھ عرصہ قبل انتقال ہو گیا ہے اور جن کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی زندگی میں ایک وقت ایسا آیا جب ان کے خاوند بیمار ہو گئے (ان کا بھی اب انتقال ہو چکا ہے) تو انھوں نے اپنی اولاد کو محروم کرتے ہوئے اپنی ساری جائداد اپنی زندگی میں اپنی بیوی یعنی ہماری بہن کے نام کر دی۔ پھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ وہ تو صحت یاب ہو گئے لیکن ہماری بہن انتقال کر گئیں۔ وہ اپنے حقیقی وارثوں کو کچھ دینا پسند نہیں کرتے تھے۔ ہماری ہمشیرہ کے انتقال کے بعد موجودہ پاکستانی قانون وراثت کے تحت آدھی زمین ہم چار بھائیوں کے نام آجاتی ہے اور آدھی زمین ان کے شوہر کے نام منتقل ہو جاتی ہے اور ہم نے اس زمین کا قبضہ وغیرہ بھی لے لیا ہے اور اب وہ آدھی زمین ہمارے تصرف میں ہے۔ اب میرے تین سوال ہیں۔

۱۔ میں حقیقی اسلامی روح کے مطابق اس زمین کا حقدار ہوں یا نہیں جو ہم چار بھائیوں یا میرے حصے میں آئی ہے؟

۲۔ جو زمین میرے حصے میں آئی ہے اگر میں اس کا اسلامی روح کے مطابق حقدار نہیں ہوں تو کیا مجھے وہ زمین اس کے حقیقی وارثوں کو واپس کر دینی چاہیے؟

۳۔ اگر میں اس زمین کا حقدار نہیں ہوں تو کیا اسلامی قانون وراثت مجھے یہ اجازت دیتا ہے کہ میں وہ زمین حقیقی وارثوں کے حوالے نہ کروں بلکہ وہ زمین، یا اسے فروخت کر کے اس سے حاصل کی ہوئی رقم

REGD. NO. L 5340 PHONES : 7587916
7585590
MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE